© rasailojaraid.com

ڈاکٹر فدا حسین انصاری

محبت خان محبت کی مثنوی ''اسرارِ محبت''

نواب محبت خان نام، مظفر الدولہ، شہباز جنگ خطاب اور محبت تخلص کیا کرتے تھے۔ آپ روہ[۱] (مضافاتِ پشاور) میں ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے ''والد حافظ رحمت خان، روہیل کھنڈ کی تاریخ میں حافظ الملک، مکرم الدولہ، حافظ رحمت خان بہادر، نصیر جنگ (۱۷۰۸ء۔۱۷۷۴ء) کے نام سے مشہور ہوئے۔''[۲] آپ کا سلسلۂ نسب قیس عبدالرشید سے ملتا ہے۔ جو بنی اسرائیل سے تھے۔ اس خاندان میں یہ پہلے بزرگ تھے جنھوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کر لیا تھا، آپ نے دیدارِ مصطفےٰ ﷺ کے شوق میں افغانستان سے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ آپ کی شادی سارہ بنت خالد بن ولید سے مدینہ میں ہوئی۔ آپ کی اولاد سے ہی افغان اپنا شجرہ ملاتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان میں جو بدامنی اور ابتری پھیلی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''کھیڑ کے علاقے میں افغانوں نے ایک نئی بستی کی بنیاد ڈالی جو بعد میں روہیل کھنڈ کہلائی۔''[۳] حافظ رحمت خان نے یہاں مستقل ہونے کے بعد اس علاقے کو استحکام بخشا اور سلطنت دہلی سے اس علاقے کی سندیں حاصل کیں۔ حافظ رحمت کی مادری زبان پشتو تھی لیکن انھوں نے اپنے بیٹوں کے لیے ایسے اتالیق مقرر کیے جن کے ذریعے ان کے بیٹوں نے عربی، فارسی، اردو اور سنسکرت کی بھی تعلیم حاصل کی۔

نواب محبت خان محبت کے چودہ (۱۴) اور نو (۹) بہنیں تھیں۔ بھائیوں میں اکثر شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے جب کہ محبت خان اردو اور پشتو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا اردو دیوان پرتو روہیلہ نے مرتب کیا ہے اور یہ مجلس ترقی ادب لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکا ہے جب کہ پشتو دیوان ۳۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دیوانِ سر جارج کولیز کی خدمت میں ۱۸۰۱ء میں نواب موصوف نے اپنے دستخط کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ محبت خان ''ریاض المحبت'' کے نام سے ایک پشتو لغت بھی تحریر کی تھی جس میں ۱۴۱۰ پشتو الفاظ کے معنی فارسی میں ہیں۔ یہ لغت ۱۲۲۱ھ میں مکمل ہوئی۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ لغت ''سر جارج ھلا رو بارلو'' کی خواہش پر تالیف کی گئی جو اس دور میں برطانیہ کی جانب سے ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔

محبت خان نے سسی پنوں کے قصے پر مشتمل مثنوی ''اسرارِ محبت'' لکھ کر بھی شہرت حاصل کی یہ مثنوی ۱۱۹۷ھ میں نظم کی گئی، اس وقت لکھنؤ میں انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی مثنوی تھی جسے آپ نے انگریز اہل کار مسٹر جانسن کی فرمائش پر تحریر کیا۔ یہی مثنوی ہماری اس تحریر کا موضوع ہے جس پر ہم تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصنافِ شاعری میں مثنوی کو ہمہ گیریت اس لیے حاصل ہے کہ اس میں جذبات انسانی، مناظر قدرت، واقعہ نگاری اور تخیل کے اظہار کے لیے خاصا میدان وسیع ہوتا ہے۔ مثنوی میں کوئی تاریخی واقعہ یا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ عشق و محبت، رنج و مسرت، غیظ و غضب انتقام، ہمدردی بہادری راست گوئی، بدگوئی ہر طرح کے میلانات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔ اخلاق، فلسفہ، تصوف، دین اور دنیاوی و مذہبی واقعات و رجحانات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ مضامین کے لحاظ سے رزمیہ، بزمیہ جو مضمون چاہیں ادا ہوسکتا ہے۔

مثنوی کی ابتدا ایران سے ہوئی، عرب میں اس نوع کی شاعری کو رجز کہتے ہیں فارسی زبان کا پہلا مثنوی گو شاعر ''رودکی'' سمجھا جاتا ہے، رودکی نے نصر بن احمد سامانی کی فرمائش پر ''کلیلہ دمنہ'' کا ترجمہ مثنوی میں کیا جس پر چالیس ہزار روپے کا انعام حاصل کیا۔[۴]

گفت با خرگوش، خانہ، خان من۔ خیز دخا مشاک از و بیروں فگن لبیبی، ابوشکور، طیاں، عنصر مشہور مثنوی نگار ہیں لیکن فردوسی کے شاہنامہ نے سب کو ماند کر دیا البتہ نظامی نے سکندر نامہ لکھ کر اپنا نام روشن کیا۔ بعد کے مثنوی نگاروں نے شاہ نامہ اور سکندر نامہ کی نقالی کی۔ فردوسی کے شاہ نامہ کو اسدی کے گشتاسب نامہ اور نظامی کے سکندر نامہ پر معیار و کمال کے لحاظ سے اوّلیت حاصل ہے۔

جہاں تک اردو مثنوی کی ابتدا کا تعلق ہے تو فخر الدین نظامی کی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کو پہلی مثنوی قرار دیا گیا ہے اس مثنوی کے ابتدائی صفحات غائب ہیں مثنوی کے دو نمایاں اور خاص کرداروں کے نام پر ہی اس مثنوی کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ حمد، نعتِ رسول اور مدحِ سلطان سے مثنوی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے لسانی و دیگر پہلوؤں پر ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادبِ اردو'' جلد اوّل میں قابل قدر بحث کی ہے۔[۵]

عبدالقادر سروری کے مطابق ''ہماری شاعری میں سب سے اہم صنف مثنوی کی ہے کیونکہ اس میں ایک وسیع مضمون اور مربوط خیال کے نشو ونما کی گنجائش ہے۔ شعر کی کوئی بھی صنف ہو بذات خود غیر اہم نہیں سمجھی جاسکتی اچھائی اور برائی صناع میں ہوسکتی ہے۔ ایک باکمال شاعر پیش پا افتادہ اصناف کو بھی اپنی وجدانی قابلیت کی دستیاری سے بلندیوں کی انتہا تک پہنچا سکتا ہے''۔[۶]

اب ذرا اردو مثنوی پر نظر ڈالیے۔ جو بظاہر تو دیگر زبانوں کی مثنویوں کی طرح ایک گھڑا ہوا خیالی سلسلہ بھی ہوسکتا ہے اور بعض اوقات فوق الفطرت یا خلاف قیاس افسانہ بھی ہوسکتا ہے لیکن واقعات کو جوڑنے اور مربوط کرنے میں زندگی کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ یہ جزئیاتی پہلو زندگی کے حسن و قبح کو ظاہر کرتے ہیں ان میں ڈرامائی کیفیت بھی ہوتی ہے اور مرقع نگاری بھی۔ مثنوی میں کسی مکمل واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے یہ ایک تصویر کا صرف خاکہ نہیں ہوتا بلکہ ایک مکمل تصویر ہوتی ہے جس میں پورا منظر اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں منظر کی تمام جزئیات بھی پیش کر دی جاتی ہیں۔ دراصل شاعر کی یہ نفسیات ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس میں تاخیر کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اپنے ذہن میں آنے والے تمام واقعات کو اپنے مربوط خیالات کے ذریعے جلد از جلد مربوط انداز میں پیش کر دینا چاہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو مثنوی میں جو طول طویل بیانات موجود ہیں، ایسے ہی طول طویل بیانات فارسی اور عربی مثنوی میں بھی موجود ہیں کیوں کہ کسی قصہ کو بیان کرتے وقت شاعر اپنی فکر کی جولانی اس وقت ہی دکھا سکتا ہے جب کہ اس کے پاس وقت بھی ہو اور ساتھ ہی خوشحالی اور فارغ البالی کا بھی دور دورہ ہو۔

لکھنؤ میں آصف الدولہ کا دور اور ان کے جانشینوں کا زمانہ اردو شعرا کے عروج کا زمانہ تھا۔ آصف الدولہ جیسے لکھ لٹ نواب اور جانشینوں کے دور میں چند طویل مثنویاں موجود ہیں جو اس دور کو یاد دلانے کا سبب بن گئیں۔

دکن کے سیاسی اور ادبی عروج کا زمانہ جس میں خاص طور پر بیجاپور اور گولکنڈہ کی خودمختیار سلطنتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے یہاں کے حکمراں علم وفضل ادب شعر وفنون لطیفہ کی نہ صرف سرپرستی کرتے تھے بلکہ خود بھی ادب، شعر اور فنون کا بلند پایہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ غزل اور رُباعی منفرد اور منتشر خیالات کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان سے شعری ذوق کی تکمیل بھی نہیں ہوتی لیکن مثنوی میں ایک طویل، مربوط اور مکمل شعری کارنامے کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ مثنوی دراصل محنت، فکر، ربط خیال تناسب، ترتیب اور تعمیر کی ایک مکمل عمارت کا نام ہے مثنوی میں خیالات اور واقعات کی تکرار کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غزل میں تکرار اور تقلید کی گنجائش ہوتی ہے لیکن مثنوی میں تکرار ناممکن ہے اور تقلید محدود اس لیے وہ اردو مثنویاں بھی جو فارسی کا ترجمہ یا اقتباس ہیں اور فارسی مثنوی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں، اردو جامہ پہننے کے بعد ایک نئی چیز بن گئی ہیں۔

مثنوی کی ایک خاص خوبی حقائق نگاری ہے گو کہ ان مثنویوں میں مافوق الفطرت باتیں بھی شامل رہی ہیں، اس کے باوجود مشابہ فطرت واقعات کو علاعدہ کیا جا سکتا ہے۔ رزمیہ، بزمیہ، مناظر، اخلاقی اور فلسفیانہ انداز مثنویوں میں بیان کیا جاتا رہا ہے۔ عشقیہ قصے اور دشوار مہمات کی داستانیں اور دیگر مثنوی کے عام اور مقبول موضوعات رہے ہیں۔ عشق ومحبت کی داستانیں اور مہمات کے واقعات بھی کوئی نہ کوئی مقصد لیے ہوئے ہوتے ہیں اگر ہم یہ تصور کرلیں کہ ان واقعات سے مسرت افزا پہلو اجاگر ہوتا ہے اور حیرت وتعجب کی کیفیات انسانی اذہان میں انھیں پڑھ کر پیدا ہوتی ہیں، تو بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادب کے دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک اہم مقصد ہے۔

جہاں شعر وشاعری کے ذریعے شعری وادبی لطافتوں کو استعمال کیا جاتا ہے، وہاں واقعات کا ارتقا، ترتیب اور ربط، شاعر کی ذہنی کیفیت کا پتہ دیتے ہیں۔ بیان کی توضیح وتشریح کے علاوہ موقع ومحل اور نفسی کیفیات کی توضیحات کے ذریعے شاعر کی قوت متخیلہ کو پورح طرح جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ دورانِ مثنوی ڈرامائی تشکیل اور مواقع پیدا کرنا شاعر کی توجہ چاہتے ہیں۔ مکالمات کے ذریعے روزمرہ محاورہ زبان وبیان کی دل نوازی پیدا کی جاسکتی ہے۔

جہاں تک مثنویوں کی تعداد کا تعلق ہے تو اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے ''خواب وخیال'' سے لے کر سحر البیان اور گلزارِ نسیم تک کی بیشتر مثنویاں ہمارے سامنے ہیں لیکن ایک مثنوی کا ذکر تفصیل سے نہیں ملتا وہ ''اسرارِ محبت'' ہے۔ جس پر ہم تفصیل سے بحث کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثنوی اسرارِ محبت بھی اپنے زمانے کے لحاظ سے کسی قابلِ قدر کارنامے سے کم نہیں۔ یہ مثنوی سحرالبیان سے دو سال قبل تحریر کی گئی تھی۔ یہ مثنوی آرٹ اور فنی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ قصہ سندھ اور بلوچستان سے تعلق رکھتا ہے محبت خاں نے اس قصہ کو جھنگ سیال سے جوڑ کر پنجاب کا ظاہر کیا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں'' میں ''مثنویات سسی پنوں'' ایک عنوان قائم کیا ہے جس کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

> ''سسی پنوں کے قصے کو شمالی مغربی ہندوستان میں وہی اہمیت حاصل ہے جو ڈھولا مارو کو راجستھان میں یا مادھونل اور کام کنڈلا کو بہار میں۔ سندھ، کچھ، بلوچستان اور پنجاب میں یہ قصہ بچے بچے کی زبان پر ہے، سندھی عوام میں تو سسی اور پنوں کو اولیا کا مرتبہ حاصل ہے۔ لیکن سندھ کی نسبت پنجاب میں اسے جو حسن وقبول ملا، بیان سے باہر ہے۔ پنجاب کے بعض مقامات پر لوہری کے دن اب بھی سسی پنوں کا سوانگ رچایا جاتا ہے اور عوام ہاشم کی پنجابی سسی گاتے ہیں۔''[۷]

سسی پنوں کا قصہ سندھی، بلوچی، کچھی اور پنجابی زبانوں میں بار بار لکھا گیا ہے۔ سب سے زیادہ اس کے نسخے پنجابی زبان میں ملتے ہیں۔ ہرنام سنگھ شان مرتب ''سسی ہاشم'' نے ایسی پچاس سے زائد تصانیف کے نام تحریر کیے ہیں۔

یہ قصہ انگریزی زبان میں بھی لکھا جا چکا ہے۔ لیفٹیننٹ برٹن اور مسٹر لوسٹن نے اس کا ترجمہ پنجابی روایتوں سے کیا ہے جب کہ سندھی روایت کا انگریزی ترجمہ F.J.Goldsmith نے کیا ہے جو ۱۸۶۳ء میں لندن سے اصل متن کے ساتھ شائع ہوا۔ اصل قصہ کی روایتیں سندھی، بلوچی اور پنجابی زبان میں یکسر مختلف ہیں۔ یہاں تک کے سسی پنوں کے سوا دوسرے تمام کرداروں کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ پنجابی زبان میں سسی پنوں کا قدیم ترین نسخہ سندر داس آرام کا ہے لیکن ہاشم کی داستان کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

ہاشم سسی کو بھور کے بادشاہ کی بیٹی بتاتے ہیں جو بڑی منتوں کے بعد پیدا ہوئی۔ نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق سسی کو عشق میں گرفتار ہو کر اپنے خاندان کو بدنام کرنا تھا اس لیے اس کے ماں باپ نے اس کے ساتھ ہیرے جواہرات رکھ کر ایک صندوق میں بند کر کے پانی میں بہا دیا۔ یہ صندوق اتا نامی دھوبی کے ہاتھ لگا۔ اس نے سسی کو بڑے ناز ونعم سے پالا۔ اس کے لیے دور دور سے پیغام آئے مگر سسی نے سب کو ٹھکرا دیا کہ وہ شاہی خاندان سے ہے، دھوبیوں میں شادی نہیں کرے گی، یہ خبر سسی کے اصل ماں باپ، کو پہنچی تو انھوں نے اس کے لیے علیحدہ محل بنوا دیا۔ سسی نے ایک سوداگر کے پاس پنوں کی تصویر دیکھی اور اس پر عاشق ہو گئی، دوسرے سال کیچ سے سوداگروں کا ایک قافلہ آیا تو سسی نے ان کے ذریعے پنوں کو کیچ بلوا بھیجا اور پھر سندھ کی سسی پنوں کی داستان کے مطابق پنوں کو اس کے بھائی مدہوش کر کے مکران لے گئے اور پھر سسی پنوں کو تلاش کرتی ہوئی اس کی اونٹنی کے نقشِ قدم پر شدت کی دھوپ اور گرمی میں سفر کرتے کرتے نڈھال ہو گئی ایک چرواہے نے سسی کو جب اس بیابان جنگل میں برہنہ پا اور کھلے بال دیکھا تو بھوت سمجھ کر بھاگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکلا سسی بھوک پیاس اور گرمی سے نڈھال ہو کر دنیا سے سدھاری۔ جب پنوں کو ہوش آیا تو وہ اپنے بھائیوں سے پیچھا چھڑا کر نکلا اور بھنبھور کی جانب روانہ ہوا۔گڈریے کے ذریعے اسے حقیقت حال معلوم ہوئی اور وہ بھی ایک آہ بھر کر قبر پر گرا اور جان دے دی۔۸

قصے کی تاریخی حیثیت

سسی پنوں کے قصے کے زمانے اور جائے وقوع سے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ پنجابی لوک گیت اور ڈھولوں میں سسی کے باپ کو ایک ہندو راجا کہا گیا ہے۔ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ اس کا سلسلہ راجپوت بھائیوں سے ملاتے ہیں جو درست نظر نہیں آتا۔ سر رچرڈ ٹمپل جنھوں نے پنجابی لوک قصوں کے بارے میں تحقیق کی تھی ان کے مطابق:

> ''سسی پنوں کا قصہ دراصل سندھ اور بلوچستان سے تعلق رکھتا ہے اور عجب نہیں کہ سندھ کی تاریخ کے زمانے کا واقعہ ہو بھنبو ریا بھنبور (یعنی بہ واؤ مجہول یا معروف) کے کھنڈراس سڑک کے کنارے پر واقع ہیں، جو کراچی سے کھاڑا کو گئی ہے۔ غالباً اس شہر کا محل وقوع دریائے سندھ کے ایک قدیم دہانے پر ہے''۔
>
> (بحوالہ ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، ص ۱۹۵۔۱۹۴)

قاضی فضل حق نے اپنی تحقیق کے مطابق اس شہر کا نام بھن پور بتایا تھا جو علاقۂ سندھ میں واقع تھا۔ پروفیسر ہرنام سنگھ شان نے محنتِ شاقہ کے بعد ''سسی ہاشم'' کو مرتب کیا ہے انھوں نے اس علاقے کا محل وقوع کچھ اور بتایا ہے۔قصہ میں جس طرح کے رسم و رواج اور طور طریقوں کو بیان کیا گیا ہے وہ قدیم کچھی معاشرت کا پتہ دیتے ہیں۔سندھ اور پنجاب کی روایتوں میں بعد کو بہت رنگ آمیزی ہوگئی۔قرین وقیاس ہے کہ یہ قصہ کچھ سے نکل کر سندھ کے زیریں علاقوں سے ہوتا ہوا مکران، بلوچستان اور پھر وہاں سے پنجاب پہنچا، کیچ کا شہر اب بھی ریاست قلات و بلوچستان میں موجود ہے۔

سسّی پنوں کے قصے کا صحیح زمانہ نا معلوم ہے۔بعض محققین اس قصے کو زمانۂ اسلام سے قبل کا بتاتے ہیں۔کیا یہ قصہ ہندی الاصل ہے؟ تو اس کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس میں اظہار محبت کی ابتدا عورت کی جانب سے ہوتی ہے جو خالص ہندی انداز ہے جبکہ سسّی سنسکرت ششی (چاند) اور پنوں پورن سے لسانی مشابہت رکھتا ہے۔

تاریخ بلوچستان کے مصنف ہتو رام کے مطابق سسّی کی قبر کا مقام لسبیلہ میں شاہ بلاول اور اوتھل کے درمیانی ریگ زار میں اب تک موجود ہے۔ تیجا سنگھ کے مطابق یہ قبر کیچ اور لڑکانے کے درمیان مارو تھل میں واقع ہے۔یہاں لوگ زیارت کو آتے ہیں اور ہر سال میلہ لگتا ہے اور مہندی کے بوٹے کے قریب وہ چشمہ اب تک موجود ہے جہاں پیاسی سسی نے مرتے وقت پانی پینا چاہا تھا۔

(بحوالہ ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں ص ۹۶۔۱۹۵)

سسی پنوں کے فارسی نسخے

۱۔ سسی پنو۔از سید علی۔سید علی ٹھٹھہ کے ایک مقدس بزرگ تھے انھوں نے ۱۰۵۳ھ میں سندھی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ زیبا ونگار از حاجی محمد رضا رضائیہ ۱۰۵۳ھ۔

۳۔ سسی و پنو۔ از جسونت رائے منشی ۱۱۴۰ھ۔

۴۔ نامۂ عشق۔ اندر جیت منشی ۱۱۴۰ھ۔

۵۔ دستور عشق یا گلستان رنگیں۔ از جیونت پر کاش ۱۱۴۳ھ۔ ۹

۶۔ شہید ناز۔ از قاضی مرتضٰی خاں سورتی بعہد (محمد شاہ)

۷۔ حسن و ناز۔ از میر محمد بھکری۔ ۱۰

۸۔ تحفتہ الکرام۔ از مخدومی ۱۲۵۶ھ۔

۹۔ وقائع پنوں از محمد حسین حسین (المتوفی قبل ۱۲۵۱) اور شہباز خاں سیالکوٹی۔

۱۰۔ سسی و پنوں۔ از فرخ بخش مکتوبہ ۱۲۵۸ھ۔

۱۱۔ مہر و ماہ از پیر محمد لودھی مطبوعہ ۱۲۹۸ھ۔

۱۲۔ ''حسن و عشق'' محمد افضل سرخوش دہلوی (ولادت ۱۰۵۰ھ)۔ شاگرد میر معز فطرت وفات (۱۱۲۶ھ) مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

الٰہی شور شے در دم فزوں کن نمکدانے بداغم سرنگوں کن کلمات الشعرا

اردو نسخے:

۱۔ مثنوی اسرار محبت، از محبت خاں شاگرد جعفر علی حسرت۔ سال تکمیل مثنوی ۱۱۹۷ھ۔ یہ مثنوی حسرت موہانی نے اردوئے معلیٰ پریس، علی گڑھ سے شائع کی تھی۔

۲۔ مثنوی سسی پنوں، از کیسرا سنگھ جہانگیر۔

۳۔ مثنوی سسی پنوں از سالک۔

۴۔ مثنوی نالہ مہجور از لال سنگھ میر منشی ریذیڈنٹ کشمیر۔

۵۔ سسی پنوں (نثر) از مقبول احمد خلف قدرت احمد فاروقی گوپاموی، ۱۲۶۵ھ۔

۶۔ امجد علی قلق نے اپنی مثنوی مہر و مشتری (سال تصنیف ۱۸۶۰ء) میں لکھا ہے کہ اس نے سعد الدین شفق رئیس کالپی کی فرمائش پر سسی پنوں کا قصہ نظم کرنا شروع کیا تھا، لیکن موصوف کے انتقال سے طبیعت مکدر ہوگئی اور قصہ نامکمل رہ گیا۔

۷۔ قصہ سسی پنوں (نثر) عبدالحلیم شرر نے مخدومی کی فارسی ''تحفتہ الکرام'' سے اخذ کر کے ستمبر ۱۸۹۸ء کے دل گداز میں شائع کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ سسی پنوں (نثر) نیاز فتح پوری نے فارسی ''حسن وناز'' (میر محمد بھکری) اور ''شہید ناز'' (قاضی مرتضیٰ سورتی) کی بنیاد پر اس قصے کو جولائی ۱۹۴۹ء کے نگار میں شائع کیا۔

۹۔ گارساں دتاسی کا بیان ہے ''دیوی دیال نے سسی پنوں کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے (۱۸۷۰ء) اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ دیوی دیال کا یہ نسخہ اردو میں تھا یا ہندی میں۔

۱۰۔ مثنوی نسیم سحر (سسی پنوں) کی مصنفہ جیالال خستہ دہلوی ۱۸۷۶ء۔

۱۱۔ سسی پنوں (اردو نثر) یہ کتاب رام دتہ مل و مولوی علی محمد تاجران کتب نے نول کشور پرنٹنگ ورکس سے چھپوا کر ۱۹۰۴ء میں لاہور سے شائع کی۔ مصنف کا نام درج نہیں کل صفحات ۱۶ ہیں تمہید میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قصہ تحفۃ الکرام سے نقل کر کے بیان کیا گیا ہے۔ قصے کی مقبولیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

> ''پنجاب میں جو قصے بچے بچے کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہولیوں یا دسہرے میں جو سوانگ نکالے جاتے ہیں، ان میں ضرور سسی پنوں کا سوانگ بھی نکلا کرتا ہے۔ بھانڈ لوگ تماشوں میں بھی ان کے سوانگ سے دل لبھاتے ہیں۔ شہروں کے لوگ بھی جب کبھی کاروبار سے فرصت پاتے ہیں، سسی پنوں کے گیت سن کر یا گا کر اپنا دل بہلاتے ہیں۔ دیہات کے کاشتکار ہوں (یا) چرواہے، وہ بھی کام کرتے وقت اپنے دل کے ولولے انھیں کے گیت گا کر ظاہر کرتے ہیں''۔ (ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ص ۱۹۹)

مثنوی اسرار محبت کا ایک نسخہ جو طبع شدہ ہے انڈیا آفس لندن میں بھی ہے۔ بلوم ہارٹ کا قیاس ہے کہ یہ نسخہ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا ہوگا۔ جناب مسعود حسن رضوی ادیب کے کتب خانے کے علاوہ اس مثنوی کے مزید نسخے کتب خانہ سالار جنگ، کتب خانہ رضا باڈلین لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اشپرنگر نے بھی اس نسخے کا ذکر کیا ہے۔ حسرت موہانی نے اس مثنوی کو قاضی محمد صادق خاں اختر کی مثنوی ''سراپا سوز'' اور آغا علی شمس کی ''طلعت الشمس'' کے ساتھ ''مجموعہ مثنویات'' کے نام سے شائع کیا تھا۔

سسی پنوں کے قصے پر مشتمل مثنوی ''اسرار محبت'' محبت خاں ولد حافظ رحمت خاں نے ۱۱۹۷ھ میں اس دور میں نظم کی جب نواب موصوف لکھنؤ میں انگریزوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

فارسی اور پنجابی زبان میں یہ قصہ نظم کیا جا چکا تھا۔ لیکن اردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی مثنوی تھی۔ مثنوی کا مرکزی خیال پنجابی قصے سے ماخوذ ہے۔

''اسرار محبت'' کا غیر مطبوعہ نسخہ ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۹۲ اشعار ہیں اور ۲۱ عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ ۱۱ جب کہ مثنوی کے آخری شعر کے دوسرے مصرعے سے اس کا سال تصنیف نکلتا ہے۔

کہی تاریخ اس کی یہ بہ صنعت ؎ عجب قصہ ہے اسرار محبت ۱۱۹۷ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولوی عبدالحق کے ذاتی کتب خانے کی اس پر مہر ثبت ہے اس کے آخری یعنی ۵۷ ویں صفحے پر یہ ترقیم ہے۔

''تمت تمام شد نواب محبت خاں ولد حافظ رحمت خاں در قصبہ سیسے پنو بے التاریخ دوم شہر شوال بروز چہارشنبہ بوقت چاشت بدستخط حقیر پر تقصیر لالہ مٹکا رام ولد ڈالچند مرقوم ساکن اصالت پور چاری پرگنہ نزدے مضاف صوبہ دارالخلافت شاہجہاں آباد ۱۲۴۳ ہجری برائے خاطر داشت اخوندزادہ خود قلمی شد فقط۔''[۱۲]

قاریائے من مکن چندیں عتاب   که خطائے رفتہ باشد در کتاب
آں خطائے رفتہ را تصحیح کن   از کرم واللہ عالم بالصّواب

مثنوی اسرار محبت کی بحر

مثنوی ''اسرار محبت'' بحر ہزج مسدس محذوف یا مقصور میں تحریر کی گئی ہے۔

مفاعیلن مفاعیلن فعولن/مفاعیل

ابتدا میں یہ بحر بھی عشق و عاشقی کی باتوں کے لیے مخصوص کی گئی تھی مگر اس میں بھی متنوع مضامین ملتے ہیں فارسی میں (۵۳۵ھ بمطابق ۱۱۴۰ء سے ۶۰۰ھ بمطابق ۱۲۰۳ء) کی ''خسرو شیریں'' کا یہی وزن ہے۔

نسب را در جہاں پیوند می خواست   بہ فرماں از خدا فرزند می خواست
چو عمر آمد بہ حد چاردہ سال   بر آمد مرغ دانش را پر و بال

جامی نے (۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۴ء سے ۹۰۲ھ مطابق ۱۴۹۶ء) نے ''یوسف زلیخا'' کے لیے بھی اسی وزن کا انتخاب کیا تھا اور غنیمت لاہوری کی مثنوی ''نیرنگ عشق'' کی بحر بھی یہی ہے۔

اردو میں بھی سید فرزند عشرتی کی ۱۱۴۴ھ کی عشقیہ مثنوی ''نیر درپن'' اسی وزن میں ہے۔ ۱۱۴۷ھ بمطابق ۱۷۳۴ء میں عاصی نے ''تلقین الہدیٰ'' بھی اسی وزن میں لکھی ہے۔

غریب و کمتریں میں بندہ عاصی   شفاعت سوں کرو میری خلاصی

گوہر کی ایک مثنوی ''مثنوی گوہر'' بھی اسی وزن میں ہے جس میں حضرت ابوتمیم انصاری کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

لکھیا قصہ پکڑ میں ہاتھ خامہ   رکھیا ہوں نام میں انصار نامہ
طبیعت کو بنا چالاک گوہر   رکھیا امید تج سے عبد اصغر[۱۳]

محمد افضل سرخوش (۱۰۵۰ھ۔۱۱۲۶ء) مثنوی ''حسن و عشق'' کے نام سے تحریر کی اسی وزن میں ہے

الٰہی شورشے در دم فزوں کن   نمکدانے بداغم سرنگوں کن

دکن کے ایک اور شاعر عارف الدین عاجز ۱۱۷۸ھ بمطابق ۱۷۶۴ء کی مثنوی ''لال و گوہر'' کا یہی وزن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ سخن کا لال دے میری زباں کو ۔۔۔ دُرِ معنی سے بھر میرے بیاں کو

شمالی ہند میں اسی بحر میں سودا ۱۱۹۵ھ بمطابق ۱۷۸۰ء نے ایک عشقیہ مثنوی لکھی۔

؎ چراغِ داغِ دل چھٹ روشنی اور ۔۔۔ نہ ہو پستی بلندی جس سے ہو غور

؎ نہ تھا وہ یوسف ثانی کچھ آگاہ ۔۔۔ کہ میرے سامنے خندق ہے یا چاہ

؎ کسی در پر گرے تھا کھا کے ٹھوکر ۔۔۔ کسی دیوار سے جا لاگتا سر

اسی بحر میں ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی مثنوی کلیلہ دمنہ، کا منظوم ترجمہ ۱۲۲۱ھ بمطابق ۱۸۰۶ء میں میر فرید الدین آفاق نے مثنوی ''دانش افروز'' کے نام سے کیا۔

محبت خان کے شاگرد میر ضیاء الدین عبرت اور میر غلام علی عشرت شاگرد مرزا علی لطف کی ''پدمادت''، صفا بریلی کی مثنوی،'' حملۂ حیدری'' اسماعیل، حسین منیر کی مثنوی ''معراج المعارفین'' اور خوشتر کی ''رامائن'' اور متعدد مثنویاں اس بحر میں ملتی ہیں اور یہ تمام کی تمام مثنویاں عاشقانہ نہیں بلکہ اخلاقی صوفیانہ اور رزمیہ ہر موضوع پر ہیں۔[۱۴]

''سسی پنوں'' کی داستان کو محبت خان نے مثنوی ''اسرار محبت'' کے نام سے قلم بند کیا لکھنؤ کے ریذیڈنٹ مسٹر جانسن کی فرمائش پر یہ مثنوی اردو میں ۱۱۹۷ھ میں تحریر کی گئی یاد رہے کہ میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' اس مثنوی کے تقریباً دو سال بعد نظم کی گئی۔ جس زمانے میں یہ مثنوی تحریر کی گئی۔ وہ دور مثنوی کا دور نہیں تھا اور بعد کے آنے والے ناقدین نے بھی ''اسرار محبت'' پر بھرپور بحث نہیں کی بلکہ آج سے ۶۰ برس پہلے تک چند تذکروں میں ذکر ملتا ہے لیکن انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے مؤقر سہ ماہی ''اردو'' میں افسانہ سسی پنوں پر محققانہ مقالے شائع ہوئے ان مقالوں میں نور الٰہی اور محمد عمر کے مقالے قابل ذکر ہیں۔ قاضی فضل حق نے ایک مقالہ محولہ بالا رسالہ کی اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں تحریر کیا یہ مضمون سب سے زیادہ محققانہ اور فاضلانہ انداز سے ضبط تحریر کیا گیا تھا اور تاریخی و ادبی معلومات سے پُر تھا۔ لیکن اس مقالے میں بھی محبت خان کی مثنوی ''اسرار محبت'' کا ذکر نہیں تھا البتہ ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں مثنوی ''اسرار محبت'' کے عنوان سے سید مسعود حسین رضوی، نے ایک مضمون تحریر کیا تھا۔

پروفیسر مجنوں گورکھپوری تنقیدی حاشیے میں رقم طراز ہیں:

> ''عنوان دیکھ کر مجھے تسکین ہوگئی، کہ جو کام میں کرنے والا تھا وہ ہو چکا لیکن جب مضمون کو پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ رضوی صاحب صرف قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب محبت خاں محبت کی ہے''۔[۱۵]

دراصل یہ مثنوی یقیناً محبت خان کی ہی ہے، منشی عبد الکریم، مرزا لطف اور گارساں دتاسی، مولانا عبد الحکیم عبد الحئی نے اپنے تذکروں میں اس مثنوی کا ذکر کیا ہے۔

حسرت موہانی نے ''مجموعہ مثنویات'' کے نام سے تین مثنویوں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ جس میں پہلی مثنوی ''سراپا سوز''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔[16] دوسری مثنوی یہی ''اسرارِ محبت'' اور تیسری مثنوی آغا علی شمس لکھنوی کی تحریر کردہ ہے جس کا نام ''طلعت الشّمس'' ہے۔[17]

میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں[18] سسی پنوں کی داستان نثر میں تحریر کی ہے۔ انھوں نے ساتھ میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ میر معصوم بکھری نے اس قصے کو مثنوی ''حسن و ناز'' میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ قاضی مرتضٰی سورٹھی ساکن موضع ''کتیانہ'' نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں اسے خاص طرز میں نظم کیا تھا۔[19] چوہدری شہباز کی کتاب ''وقائع پنوں'' کا ایک قلمی نسخہ قاضی فضلِ حق کے زیرِ مطالعہ رہا۔[20] شہباز موضع بدوملّھی ضلع سیالکوٹ پنجاب کا رہنے والا جاٹ تھا۔ اس نے یہ کتاب ۱۲۵۱ میں مکمل کی۔[21]

؎ چوں در غم یار نزار بدم خونخوارو دل فگار و حیراں

تاریخ گزار (کذا) ایں نظم شد غم یار بفہم اسرار نہاں۔ غم یار کے ۱۲۵۱ اعداد ہوتے ہیں۔ قاضی فضل حق کا یہ کہنا بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ: ''وقائع پنوں میں پنوں کے بے ہوش ہو جانے کے بعد کا حال کسی دوسرے شخص کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔''[22] مضمون نگار اس کا نام منشی محمد حسین بتاتے ہیں۔ شہباز اس کا نام صرف حسین لکھتا ہے اور اس کو ''ولی'' سے مخاطب کرتا ہے محولہ مضمون کی عبارت سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ شہباز نے پنوں کے بے ہوش ہو جانے تک کا حال لکھا ہے اور بعد ازاں منشی محمد حسین نے اسے مکمل کیا۔'' حالانکہ شہباز کا بیان ہے کہ ''حسین ولی'' نے اس سے قبل قصہ سسی پنوں کا آخری حصہ لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ بحر کی ندرت کی وجہ سے اس کے اکثر اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے تھے۔ شہباز نے اپنے ایک دوست ''پیر الدین'' متوطن شہر جلال آباد کی فرمائش پر قصہ کا ابتدائی حصہ اسی بحر اور روش پر لکھ کر کتاب کو مکمل کیا۔ فارسی زبان میں یہ حصہ متعدد بار لکھا گیا میر معصوم شاہ بکھری اور قاضی مرتضٰی سورتی نے نظم کیا۔ ان سے قبل ''سید علی نے جو ٹھٹھہ سندھ کے صاحب تقدس بزرگ تھے ۱۰۵۳ء میں اس کہانی کا سندھی زبان سے فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد رضاعی نامی ایک شاعر نے ''زیبا و نگار''[23] کے نام سے ایک مثنوی سسی پنوں کے موضوع پر لکھی اس کی تاریخ تصنیف اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے جو ۱۰۵۳ھ ہے۔''

؎ گل اندر باغ خواندم از حسابش که ہم تاریخ باشد ہم خطابش

فارسی قلمی نسخوں میں سرگزشت ''سسی پنوں'' کا ذکر ملتا ہے ایک فارسی نسخہ کے مصنف نے آخر میں اس کا نام ''نگاریں نامہ عشق'' یا ''گلستان رنگین'' بتایا ہے۔

؎ بحمد اللہ کہ نوک خامۂ عشق رقم زد ایں نگاریں نامۂ عشق

؎ در ایام مبارک ماہ رمضاں (کذا) بہار آورد ایں رنگیں گلستاں

مثنوی میں مصنف نے اپنا نام اندر جیت اور تخلص منشی بتایا ہے یہ پنجاب کے شہر نکودر کا رہنے والا تھا وہ اپنے وطن سے لاہور آیا تھا اور یہاں کسی بزرگ کی خدمت میں انیس (۱۹) سال رہا اس بزرگ کا نام نہیں ملتا۔[24] کچھ عرصہ بعد سید شہامت خاں کی خدمت میں پہنچا اور اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ نواب عبد الصمد خاں لاہوری کا منشی تھا۔ ۱۱۴۱ھ میں وہ نواب مذکور کی معیت میں ملتان گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہاں اس نے یہ داستان سنی اوراسی وقت اس کو منظوم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ یہ کتاب محمد شاہ بادشاہ کے دسویں سال جلوس میں ماہِ رمضان میں ختم ہوئی۔

جہاں تک پنجاب میں سسی پنوں کے قصے کا تعلق ہے تو پنجابی میں سب سے پہلے حافظ رانجھا برخوردار نے ۱۰۷۶ھ میں اس قصہ کو کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ ۱۱۷۲ھ میں اس قصہ کو سندر داس آرام نے پنجابی زبان کی پانچ مختلف بحروں میں تحریر کیا تھا اس کے خاتمے پر لکھتا ہے۔

؎ ختم ہو یار یہ عشق پاک جو آکھ سنایا   گل ختمی آرام ایں اس قصے نے پایا

؎ سبھ کلام کر پنچ کر تاریخ ملائی   سسی پنوں نے جوش عشق پنجر نہ دہائی

مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ کپورتھلہ کی لائبریری میں موجود ہے۔ ہاشم کی سسی پنوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہاشم رنجیت سنگھ کے معاصر تھے اور رنجیت سنگھ اکثر ہاشم کو بلوا کر ان کی زبانی سسی پنوں کے اشعار سنا کرتے تھے۔

سسّی پنوں کے پہلے پنجابی داستان گو حافظ برخوردار ہیں۔ ان کا نام رانجھا اور تخلص برخوردار تھا حافظ قرآن تھے حافظ تخلص کرتے تھے وطن مالوف ہزارہ تھا۔ جوانی میں وہاں سے نکلے اور تعلیم لاہور میں حاصل کرتے رہے۔[۲۵]

بلوچی زبان میں اس قصے کا تذکرہ تاریخ بلوچستان میں رائے بہادر ٹھورام نے کیا ہے اور ہر شعر کے نیچے اس کا تحت اللفظ اور اردو ترجمہ دیا ہے ان کا قول ہے کہ یہ قصہ، بلوچستان کے شعرا نے بلوچی زبان میں بطور نظم پیش کیا ہے اور بڑے شوق سے لوگ اب بھی اسے گاتے ہیں اس داستان کا انگریزی ترجمہ لیفٹنٹ برٹن اور مسز لوسٹن نے کیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سسی پنوں کی داستان کا تعلق کس دور سے ہے اور ان کے بارے میں کن اصحاب نے غور کیا ہے اور خاص طور پر سندھ میں اس کہانی کو کس تحریر کے ذریعے معتبر سمجھا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے پنجاب میں تو سنی سنائی باتوں میں قصہ کا محل تعمیر کیا گیا ہوگا۔

''تحفۃ الکرام''[۲۶] کے مصنف میر علی شیر قانع نے اپنی اس کتاب میں سسی پنوں کے قصے کو نثر میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہمارے پیش نظر ہے اکثر تاریخ دانوں نے ان کی اس کتاب سے کسب فیض کیا ہے، سسی پنوں کی جو داستان انھوں نے تحریر کی ہے اس سے بھی آئندہ لکھنے والوں نے فائدہ اٹھایا ہے، لہٰذا ہم سندھ کی اس داستان کو ایک مستند اور مقامی مصنف کے ذریعے بعینہٖ پیش کرتے ہیں تاکہ سسی پنوں کی داستان کے دیگر لکھنے والوں میں فرق واضح ہو سکے۔ ''دلورائے کی حکومت[۲۷] میں ''تانیہ نامی ایک برہمن اپنی بیوی ''سندھر'' کے ساتھ سکھ آرام کے ساتھ ''بھانبھر واہ''[۲۸] (برہمناباد) میں رہا کرتا تھا یہ دونوں میاں بیوی مدت سے اولاد کی خواہش رکھتے تھے۔ خدا کی قدرت سے ان کے یہاں ایک ایسی خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی کہ چاند بھی اس کے حسن پر رشک کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً اس کا طالع قسمت دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک مسلمان کی بیوی بنے گی چنانچہ مذہب کے عار سے انھوں نے دل پر پتھر رکھ کر اس دُرِ بے بہا کو ایک صندوق کے صدف میں بند کر کے دریا کی پر شور موجوں میں بہا دیا۔ اتفاق سے دریا کا بہاؤ اس صندوق کو شہر بھنبھور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طرف لے آیا اس شہر میں ''منھیتہ''۲۹؎ اور بعضوں کے کہنے کے مطابق ''لار'' نامی ایک دھوبی رہتا تھا۔ جس کے پانچ سو شاگرد تھے لیکن اولاد کوئی نہیں تھی جب یہ صندوق بہتا ہوا اس کے شاگردوں کے سامنے سے گزرا تو وہ اسے پکڑ کر استاد کے پاس لے گئے۔ اس نے صندوق کھولا تو دیکھا کہ جیسے برج قدرت پر ماہتاب طلوع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کا نام سسی ۳۰؎ (چاند) رکھ کر اسے اپنی اولاد قرار دیا۔ جب خیر سے وہ جوان ہوئی تو ہر گبرو کے دل میں اس کی محبت کا نشتر چبھنے لگا اور جس کی بھی نظر اس پر پڑتی وہ اس کا خریدار ہو جاتا اکثر لوگ اس کے عشق میں اپنا دل گنوا بیٹھے اور وہ جہاں بھی جاتی عشاق اس کے گرد حلقہ بنا لیتے اور اس کے شوق میں پروانہ کی طرح اس کے چاروں طرف منڈلاتے رہتے۔ اس زمانے میں کیچ اور مکران کے قافلے تجارت کے لیے اس طرف آیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ خبر کیچ کے حاکم ۳۱؎ کے بیٹے پنھوں ۳۲؎ کو پہنچائی وہ اس کے حسن کی تعریف سن کر دل کھو بیٹھا اور قافلے والوں کا بھیس بدل کر بھنبھور آیا، یہاں سسی کو دیکھتے ہی اس کا دل بے قابو ہو گیا لیکن قسمت اچھی تھی اس لیے طالب کو بھی اپنے مطلوب کے دل میں جگہ مل گئی ۔امیدِ وصال میں اس نے اس کے باپ کی شاگردی اختیار کر کے دھوبی کا بھیس بدل لیا۔ قصہ کوتاہ، سسی بھی پنوں پر بے حد فریفتہ ہو گئی لیکن جیسا کہ دستور ہے، ایک سنارن ۳۳؎ اپنے مطلب کی خاطر ان دونوں طالب و مطلوب میں جدائی ڈالنے کی فکر میں مبتلا ہو گئی اس نے پنھوں کو غیرت دلا کر اسے سسی سے برگشتہ کر دیا اس طرف سسّی نے جو عشق میں صادق تھی خود کو بھڑکتی ہوئی آگ میں خالص سونے کی طرح پاک و صاف نکال کر اپنی صداقت ثابت کر دی، جس پر سب کو عبرت ہوئی کچھ عرصہ کے بعد طالب کی مطلوب کے ساتھ شادی ہو گئی اس طرح پنھوں کے باپ نے اس حال سے واقف ہو کر اپنے دوسرے بیٹوں کو حکم دیا کہ ''کسی بھی طرح اس دل گم کردہ کو لے آؤ۔ انھوں نے آ کر پنھوں سے ملاقات کی اور مہمان ہو کر رات کے وقت سسی کو بے خبری کے عالم میں روتا چھوڑ کر اور پنھوں کو ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار کروا کر اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گئے۔ سسی جب رات کے پچھلے پہر بیدار ہوئی تو اس نے اپنے جاگتے نصیب کی دنیا کو نیند کی بے رحم فوج کے ہاتھوں پامال دیکھا۔ جس پر وہ بے ساختہ اپنے کپڑے پھاڑتی اور چیختی چلاتی تنہا اپنے محبوب کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ انتہائے شوق میں وہ پابرہنہ پہاڑوں کی پتھریلی راہوں کو روندتی رہی، اس طرح جب مسلسل چالیس کوس کا فاصلہ طے کیا تو ایک مقام پر پیاس سے جاں بلب ہو کر گر پڑی اور جس طرح کوئی عالم سکرات میں ایڑیاں رگڑتا ہے، اس طرح زمین پر پاؤں مارنے لگی۔ خدا کی قدرت سے اسی وقت وہاں پانی کا ایک لبریز تالاب نمودار ہو گیا۔ جس میں سے پانی پی کر وہ دوبارہ تازہ دم ہو گئی۔ معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہ تالاب آج تک پانی سے بھرا رہتا ہے اور قحط سالی کے کیسے ہی سخت زمانے کیوں نہ آئیں وہ کبھی خشک نہیں ہوتا، اس واقعہ سے قبل سسی نے رات کو مہندی لگائی تھی اور رواج کے مطابق مہندی کی شاخ ہاتھ میں لے کر سوئی تھی۔ جاگتے وقت یہ مہندی کی شاخ ہاتھ میں تھی اور اس شاخ کو اس مقام پر اس نے بو دیا۔ قدرت الٰہی سے وہ شاخ پھل پھول کر درخت بن گئی اور آج تک اس شکستہ دل کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔

قصہ مختصر، تازہ دم ہونے کے بعد سسی وہاں سے آگے بڑھی اور تقریباً چھ سات کوس اور بھی پہاڑی راستہ پر چلتی رہی اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد پھر پیاس کی شدت میں مبتلا ہوئی ایک چرواہے[44] نے اسے دور سے دیکھا تو بری نیت کے ساتھ اس کے قریب آیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہا، اس پر سسی نے چیخ کر کہا ''اے بے درد، میں پیاس سے جاں بلب ہوں اور تو مجھ پر مفتون ہو رہا ہے۔ تجھے پہلے میری تشنگی دور کرنی چاہیے۔ یہ سن کر چرواہا تیزی کے ساتھ اپنے گلّے میں گیا تا کہ کچھ دودھ دوہ کر لے آئے۔ اس طرف سسی اپنے محبوب کی تلاش سے ناامید ہو چکی تھی چنانچہ اس نے خود کو جب اس نئی مصیبت میں مبتلا دیکھا تو دکھے دل سے بارگاہ الٰہی میں، کہ وہی دکھے دلوں کا چارہ ساز ہے، فریاد کی اور اس غول بیابانی سے پناہ طلب کی۔ خدائے پاک کی قدرت سے ایک پہاڑی چٹان میں شگاف پیدا ہو گیا اور اس طرح لعل کو پتھر کے دل میں جگہ مل گئی البتہ عام لوگوں کو عبرت اور محبوب کو پتا دینے کے لیے اس کی چادر کا پلو باہر رہ گیا۔ چرواہا جب دودھ لے کر آیا اور آ کر قدرت کا تماشہ دیکھا تو بے حد پشیمان ہوا اور رسم کے مطابق قبر کی نشان دہی کے لیے اس نے پتھروں کا حصار چن دیا۔

عشق و محبت کے مارے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب پنوں کو اس کے باپ کے پاس لے گئے، تو وہاں وہ اس قدر بے چین ہونے لگا کہ اس کے باپ کو اس کے مر جانے کا خوف لاحق ہو گیا۔ چنانچہ مجبوراً اس کے بھائیوں کو اس کے ساتھ روانہ کر کے ہدایت کی کہ ''کسی بھی طرح اس کے محبوب کو لے آؤ''۔ واپسی میں جب پنھوں سسی کی قبر کے قریب پہنچا تو تازہ نشانات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دل کی کشش نے تو اسے اپنے محبوب کا پتا دے دیا لیکن ظاہری ثبوت کے لیے وہ اسباب تلاش کرتا رہا اتفاقاً مذکورہ بالا چرواہا وقت پر ادھر آ نکلا اور آ کر اس نے مفصل حالات سے باخبر کیا، اس پر وہ فی الفور اونٹ سے نیچے اترا اور بھائیوں سے کہنے لگا کہ آپ لوگ کچھ توقف کریں میں اس قبر کی زیارت کر لوں۔ اس کے بعد اس نے خود کو دیوانہ وار اس قبر پر گرا کر خداوند کریم و کارساز کی بارگاہ میں گڑگڑا کر وصالِ محبوب کی التجا کی۔ چنانچہ جیسا کہ بے وسیلوں کو اس بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے سے ناکامی نہیں ہوتی۔ قادر کاملہ کی قدرت سے وہ چٹان پھر شق ہوئی اور جڑواں بادام کی طرح اسے بھی اسی لحد میں جگہ مل گئی۔ اس وقت سے یہ عجیب داستان عوام کی زبان پر جاری ہے اور صاحبانِ حال یہ واقعات انھیں عاشق و معشوق کی زبانی جن میں سے ہر ایک فی الواقعہ عاشق بھی تھا اور معشوق بھی، سُر ''حسینی'' میں گاتے ہیں اور اس مجاز میں حقیقت کی راہ تلاش کرتے اور پاتے ہیں۔ مقصد یہ کہ ان دونوں واصلین کے ذکر کی تاثیر سے اہلِ وجد و سماع پر عجیب کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

''نقل ہے کہ ''اسماعیل'' نامی ملتان کا ایک درویش ان دنوں عشاق اور اقلیم عشق کے شہنشاہوں کی زیارت کے لیے آیا اور اپنے اونٹ کو دور چھوڑ کر ان دونوں کے دیدار کی آرزو میں تین دن تک بھوکا بیٹھا رہا۔ تین دن کے بعد ایک بوڑھی عورت کچھ روٹیاں اور تھوڑا پانی لے کر ظاہر ہوئی۔ درویش نے کہا جب تک سسی اور پنوں کو نہ دیکھوں گا تب تک ہرگز کچھ نہ کھاؤں گا، بوڑھی عورت نے کہا میں سسی ہوں، البتہ پنوں کو دیکھنے کا خیال ترک کر دے، کیوں کہ زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں اور میں پہلے ہی دیوروں کی ستائی ہوئی ہوں۔ یہ حال بڑا دردناک ہے، درویش نے کہا کہ مجھے کیسے یقین ہو کہ تو ہی سسی ہے، کیوں کہ سسی نوجوان اور خوب صورت تھی اور تو بوڑھی عورت ہے۔ اس پر اس نے خود کو فی الفور اپنے اصلی روپ اور جوانی میں ظاہر کیا اور درویش سے کہا اب تو کچھ کھا لے'' درویش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے جواب دیا کہ جب تک میں تم دونوں کو نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک ہرگز کچھ نہ کھاؤں گا، چاہے بھوکا مر جاؤں کیوں کہ میں نے ایسا عہد کیا ہے۔ آخر کار بڑی ردوقدح اور قسما قسمی کے بعد سسی نے لحد میں جا کر پنھوں کو کمر تک باہر نکالا لیکن ساتھ اس ماہتاب نے جوزا کے مانند اسے دونوں ہاتھوں سے اپنی گرفت میں لے لیا تا کہ پہلے کی طرح پھر کوئی اسے اس سے چھڑا کر نہ لے جائے۔ غرض اس طرح کتنے ہی باصفا بزرگوں نے انھیں دیکھا ہے۔ اس مقام سے اونٹوں پر سوار ہو کر گزرنے والوں کے حق میں بہتری نہیں ہوتی اور جو شخص بھی ان کی قبر پر جا کر شب بیداری کرے گا باوجود ایں کہ وہ علاقہ اب ویران ہے لیکن وہ غیبی مہمان رہے گا۔ ۳۵

سندھی زبان میں سسی پنوں کی داستان کو تقریباً ہر بڑے شاعر نے بیان کیا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی، شاہ عنایت، خلیفہ نبی بخش، صابر نوحانی، سچل سرمست، قطب شاہ محمد عارف کلہوڑا، حمل فقیر محمد واصل درس اور دیگر بے شمار سندھی شعرا نے اس داستان کو مکمل یا جزئی طور پر بیان کیا ہے لیکن شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اس داستان کو مکمل طور پر تو بیان نہیں کیا لیکن آپ نے اس داستان کو تمثیلی طور پر بیان کر کے ان کے بعد کے شعرا کو ایک نئی فکر انگیزی عطا کی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اس داستان کو مختلف سروں میں بیان کیا ہے اور ہر ایک کردار کا جو داخلی و نفسیاتی پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے اسی پہلو کو ایک تمثیل بنا کر پُر اثر انداز سے بیان کیا ہے۔ کہیں سسی کا عزم و حوصلہ، کہیں بلوچ دیوروں کی بے وفائی، کہیں پنوں کی کج ادائی اور کہیں تصوف کی باریکیاں شاہ لطیف نے اس دور میں بیان کیں جب اردو شاعری بے بنیاد باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔

سسی کو پر عزم رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (سُر سسی آبری)

اے سسی کیچ دور ہے لیکن بد گماں ہو نہ رہ گزاروں سے
آرزو کو چراغِ راہ سمجھ کیوں ہراساں ہے کوہساروں سے
اس قدر بھی تو وہ بعید نہیں دیدۂ شوق نا امید نہیں

سر سسی میں فرماتے ہیں۔ ۳۶

سسی کو چاہیے پنوں کی خاطر ہے افتاد ہائے ناگہانی [کذا]
بھرم قائم ہے جن کی تشنگی کا انہیں خود ڈھونڈنے آئے گا پانی

یوں تو شاہ صاحب نے سندھ کی عشقیہ داستانوں کو جزئی طور پر بیان کیا ہے لیکن ان تمام داستانوں کی عشقیہ تمثیل نگاری کے ساتھ ساتھ ان کی بنیادی اور مرکزی باتوں کو نفسیاتی اور ماورائی متصوفانہ استعارات اور محاکات سے کام لے کر با مقصد بنا دیا ہے۔

شاہ صاحب ہمہ اوست کے قائل نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں۔

گھڑا ٹوٹا تو یہ آواز آئی نہیں دونوں میں اب کوئی جدائی
شکستِ جسم خاکی سے ہے پیدا رباب روح کی نغمہ سرائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصالِ یار کی راحت پہ قرباں　　طریقِ زہد و رسمِ پارسائی
مری رگ رگ میں نغمہ زن ہے پنوں　　خوشا قسمت میری خود آشنائی

عشق و محبت کے انمٹ جذبے کو ایک صوفی شاعر بہت اچھی طرح اجاگر کرسکتا ہے۔

؎ میرے محبوب اک جامِ محبت　　مجھے خود اپنے ہاتھوں سے پلادے
؎ قسم ہے مجھ کو اس تشنہ لبی کی　　سراپا تشنۂ الفت بنادے
نہ ہو سیری کبھی وارفتگی سے　　بجھاؤں تشنگی کو تشنگی سے

عشق کے راستے میں مشکلات ہی مشکلات ہیں شاہ صاحب اس کو بیان کرتے ہیں۔

؎ دے سہارا مجھے مرے محبوب　　تجھ سے ہوں اب میں لو لگائے ہوئے
؎ دشت گنجان اور گھنے جنگل　　ناگ بیٹھے ہیں پھن اٹھائے ہوئے

عشق کی ایک منزل کو پاکر سکون سے بیٹھنا عشق کی توہین ہے بلکہ یہاں تو سعیِ پیہم کی ضرورت ہوتی ہے۔

؎ تیرا ہر نقش پا مرے پیارے　　کیچ کا راستہ دکھاتا ہے
؎ اب سرِ راہ بیٹھنا کیسا　　سعیِ پیہم پہ حرف آتا ہے
؎ وصل اس کا نصیب ہو یارب　　جو مرے حوصلے بڑھاتا ہے
؎ مبارک عزم کہسار و بیاباں　　نہیں وہ ہوت اب ہاڑے میں ناداں
؎ نہ ہو سختیِ رہ سے (تو) پریشاں　　اگر ہے آرزوئے وصل جاناں
؎ قسم ہے تجھ کو درماندہ نہ ہونا　　کسی مشکل سے مشکل مرحلے میں
؎ سفر ہر ایک راہی کے لیے ہے　　نہ آئے فرق تیرے حوصلے میں

ایک انداز اور دیکھیے۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سسی کو اس طرح بیابان میں اپنے محبوب کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود اس کی ذات میں موجود تھا۔

؎ لطیف ان روح فرسا وادیوں میں　　خدا جانے سسی کیا ڈھونڈتی ہے

شاہ صاحب نے سُر معذوری، سُر کہساری، سُر حسینی اور سُر سسی میں خاص طور پر اس داستان کے حصے بیان کئے ہیں ان اشعار میں بلوچوں کے قافلے، اونٹوں کے سفر، کہساروں اور پہاڑوں کے نام ان کے ساتھ دشوار گزار راستوں کا ذکر، شاہ صاحب کے ان خیالات اور افکار کا مظہر ہے کہ جس میں طلب ایک متحرک روح افروز اور انہماک آفریں عمل ہے۔کسی چیز کو تلاش کرنے میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتظار، لگن اور اضطراب ہوتا ہے وہ اس خوشی سے کم ولولہ انگیز نہیں جو اس کو حاصل کرنے پر میسر آتی ہے۔ دراصل شاہ صاحب نے ان عشقیہ داستانوں کے ذریعے بھی اسرارِ الٰہی اور روحانی کیف وسرور کے انداز بیان کیے ہیں۔

سسی کے بیدار ہونے پر وہ پنوں کو غائب پاتی ہے اس کے ذہنی اضطراب کی عکاسی کرتے ہوئے شاہ صاحب کا اپنا کردار بھی شامل ہو گیا۔

مجھے معلوم تھی اونٹوں کی خصلت — مگر وہ اونٹ کیسے تھے خدایا
کہ جب رکھے گئے پالان ان پر — کوئی چیخا نہ کوئی بلبلایا
انھیں پہلے سے میرے دیوروں نے — کچھ ایسا رازداں اپنا بنایا
کہ پنوں کو گئے جس وقت لے کر — کسی نے بھی نہ ان کا بھید پایا

سندھی زبان میں سسی پنوں کی داستان کے جو اشارے شاہ لطیف کے کلام میں ملتے ہیں یہ سندھی داستان کا سب سے قدیم اور عظیم ماخذ معلوم ہوتے ہیں اور ان کے بعد کے لکھنے والوں نے میر علی شیر قانع کی ''تحفۃ الکرام'' کی نثری داستان سسی پنوں سے اور شاہ عبداللطیف کے کلام سے کہانی کا خمیر تیار کیا ہے۔

شاہ عبداللطیف اور شاہ عنایت سے پہلے اگر کسی نے سندھی زبان میں سسی پنوں کی داستان نظم کی ہے تو اس کا اب تک سراغ نہیں مل سکا ہے۔

سسّی پنوں کی داستان کو سندھ، پنجاب، بلوچستان کی مختلف زبانوں کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن اردو میں یہ داستان سب سے پہلے محبت خان نے نظم کی۔ یہ درست ہے کہ مختلف علاقوں کے مختلف بیان کرنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں یہ داستان بیان کی ہے کیوں کہ ان کے قصہٗ کے مقام کے تعین میں فرق ہے، کہیں ناموں اور کرداروں کا فرق، کہیں کہانی اور قصے میں حالات وواقعات کا فرق نمایاں ہے اور ویسے بھی ان رومانی داستانوں کے بارے میں ہم ان کی صداقت پر بھی کوئی حکم نہیں لگا سکتے البتہ اردو ادب میں محبت خان کی ''اسرارِ محبت'' ایک خاص درجہ اور مقام رکھتی ہے۔ یہ مثنوی لکھنؤ کے ریذیڈنٹ مسٹر جانسن کی فرمائش پر لکھی گئی ہر علاقے کے لکھنے والے نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق اس قصہ کو بیان کیا ہے۔ اس میں موجود کرداروں کے نام بھی مختلف ہیں اور اسی داستان سے منسلک ایسے بہت سے واقعات نے جنم لیا جن کی صداقت کو پرکھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی واضح کسوٹی نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ دوسری داستانوں کی طرح اس عشقیہ داستان کا بھی کوئی اخلاقی اور فلسفیانہ پہلو ہے۔

بہر حال جہاں تک محبت خان کی اس مثنوی اسرارِ محبت کا تعلق ہے تو ہمارے پیش نظر اس کے دو مختلف سائز میں نسخے موجود ہیں ایک نسخہ تو مخطوطہ ہے جو نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے اس کا کاغذ نہایت عمدہ ہے مگر بوسیدہ ہو چکا ہے اور جگہ جگہ سے کرم خوردہ ہے اس مثنوی میں ۱۵۹۲ اشعار موجود ہیں۔ آخری صفحہ پر کاتب کا نام اور کتابت کی تاریخ وجگہ کا پتہ بھی دے دیا گیا ہے۔ ۳۷ یہ چھوٹا کتابی سائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے دوسرا نسخہ شائع شدہ ہے جو انجمن ترقی اردو کتب خانہ خاص کراچی میں موجود ہے جو بڑے کتابی سائز پر ہے اور بیس (۲۰) صفحات پر مکمل کیا گیا ہے جب کہ قدیم مخطوطہ ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے اور چھوٹے کتابی سائز پر ہے۔ طبع شدہ نسخے کے سرورق پر یہ تحریر ہے ''المنتہ اللہ کہ قصہ سسی پنوں مسمّی بہ مثنوی ''اسرار محبت'' در بیت السلطنت لکھنؤ طبع شد'' کاتب کا نام وغیرہ تحریر نہیں ہے اور نہ ہی کسی پریس کا نام لکھا ہے کاتب نے کتابت کرتے وقت ان باتوں کا ضرور التزام کیا ہے مثلاً ''گ'' کے لیے 'ک' لکھا ہے، یائے معروف اور یائے مجہول کے استعمال میں کسی اصول کی پابندی نہیں کی گئی ہے جہاں دل چاہا یائے معروف لکھ دی اور جب دل چاہا یائے مجہول لکھ دی اور یہ کہ الفاظ کو بے اصولی طور پر ملا دیا گیا ہے۔ دراصل یہ خامیاں اتنی تعجب خیز اس لیے بھی نہیں ہیں کہ اس دور میں اردو املا کا انداز کچھ اسی طرح کا تھا۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب مثنوی ''اسرار محبت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اُس زیر مطالعہ نسخہ ''مثنوی اسرار محبت'' کا ذکر کرتے ہیں جو رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے، آپ نے بھی اصولِ املا کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے اور الفاظ کو بلا وجہ ملانے کو ناقل کی کوتاہی قرار دیا ہے مثلاً

گئے حسرت بھرے دونوں جہانسے ۔۔۔ نہ کیونکر غم ہو ان کی داستانسے

مزید رقم طراز ہیں کہ:

> ''ممکن ہے ناقل نے جس نسخے سے نقل کیا ہو اس میں اسی طور پر اشعار لکھے ہوں لیکن مجھے یہ بات ماننے میں تامل اس وجہ سے ہے کہ صاحب گلشنِ ہند نے جتنے اشعار محبت خاں کی غزل اور مثنوی سے اقتباس کئے ہیں وہ سب ہر طرح صاف اور ستھرے ہیں ان کی زبان میں قدامت نہیں ہے اور سچ پوچھئے تو یہ میر اور مرزا کے عہد کی زبان ہی نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے ناقل دکنی ہو یا دکنی زبان سے متاثر ہو یا جس نسخے سے اس نے نقل کیا ہو وہ اصل مثنوی سے دکنی میں نقل کیا گیا ہو۔ بہر نوع اس سلسلے میں کوئی قطعی رائے نہیں دی جا سکتی تاوقتیکہ اصل مسودہ دستیاب نہ ہو، یہ مان لینا کہ رام پوری نسخہ کی زبان وہی ہے جو محبت خاں نے تحریر کی تھی مناسب معلوم نہیں ہوتا، میں نے آئندہ سطور میں جس قدر بھی اشعار مثنوی سے نقل کیے ہیں ان کی زبان وہی قائم کی ہے جو محبت خاں کی غزل اور ان کے معاصرین کی زبان تھی''۔

ڈاکٹر لطیف حسین کی محولہ بالا تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں خود بھی کامل یقین نہیں ہے کہ یہ مثنوی دکنی زبان میں موجود تھی اور اسے بعد میں اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ دراصل یہ ضرور ہے کہ اس کی زبان کا وہ معیار نہیں جو میر اور مرزا کی زبان کا تھا۔ خود محبت خاں کے اردو دیوان کا معیار بھی اس سے بلند تر ہے اور یہ سمجھ میں نہ آنے والی کوئی بات بھی نہیں کیوں کہ مثنوی کی تحریک ان کی اپنی نہیں تھی ایک انگریز کی تھی اور اس انگریز قدردان کی فرمائش کی تکمیل ان کے پیشِ نظر تھی۔

دوسرے یہ کہ طول طویل مثنویوں کا معیار اس لیے بھی بڑھ نہیں پاتا کہ قصہ اور کہانی کے بیان پر زور دیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب نے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جو رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے یہ ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اشعار کی تعداد ۵۹۰ (پانچ سو نوے) ۳۸ بتائی گئی ہے۔ قومی عجائب گھر کراچی سے دستیاب ہونے والے قلمی نسخہ کے اشعار ۵۶ صفحات پر مشتمل ہیں اور آخری صفحہ یعنی ۵۷ ویں صفحہ پر کاتب نے اپنا نام صاحب مثنوی کا نام اور کتابت کا پتا وغیرہ تحریر کیا ہے۔

پروفیسر مجنوں گورکھ پوری نے ''اسرارِ محبت'' قلمی نسخہ مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی کے حوالے سے مثنوی کے اشعار کی تعداد تقریباً ساڑھے چھے سو بتائی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

ہمارے پیش نظر قلمی نسخہ مملوکہ قومی عجائب گھر کراچی اور طبع شدہ مملوکہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی ۳۹ ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اسرارِ محبت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''مثنوی زبان و بیان کے لحاظ سے بڑی شگفتہ و پاکیزہ ہے۔ محبت خاں میں مثنوی نگاری کی اچھی صلاحیت نظر آتی ہے انھوں نے ہر واقع اور ہر موقع کی مکمل تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے جذبات نگاری کے بعض کامیاب مرقعے بھی اس میں مل جاتے ہیں۔''

مثلاً سسّی کے غم و فراق کی تصویر دیکھیے۔

ہوا خونِ جگر آنکھوں سے جاری — لگا دل، بر میں کرنے بے قراری
یہ سینے میں پھڑکتا تھا دلِ زار — قفس میں جوں ہو مرغِ نو گرفتار
نظر کی پیش و پس ایدھر ادھر کو — لگی رونے وہ دھر زانو پہ سر کو
ہوا یہ یک بیک حالِ تن زار — کہ ہو جیسے کوئی مدت کا بیمار
جنونِ عشق جب ہوتا تھا تازہ — نکل جانے کا کرتی تھی ارادہ
غرض دشوار تھا آرام پانا — کبھی اٹھنا کبھی پھر بیٹھ جانا

اس سادگی اور شگفتہ بیانی کے ساتھ پوری داستان نظم کر دی گئی ہے۔ پروفیسر مجنوں گورکھپوری ''اسرارِ محبت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> 'غزلوں کا مطالعہ کیجیے یا مثنوی کا محبت کی جذبات نگاری اور اسلوب کا قائل ہونا پڑتا ہے، واقعات اور جذبات کو بیان کرنے کی ان کو پوری قدرت حاصل تھی وہ ایک ماہر و مشاق شاعر تھے، سسی کا حال انھوں نے جس سادگی اور دردمندی کے ساتھ بیان کیا ہے اس سے پڑھنے والے کا دل بغیر اثر قبول کیے ہوئے نہیں رہتا، اس اعتبار سے وہ اپنے استاد کے مخلص شاگرد تھے، مرزا جعفر علی حسرت کے سوز و گداز کی جھلک محبت کے کلام میں کافی ہے اور اس لحاظ سے ان کی روش جرأت کی روش سے الگ ہے۔''

پروفیسر مجنوں گورکھپوری آگے چل کر فرماتے ہیں۔

> ''آخر میں مجھے سسی پنوں کے قصے کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے جیسا کہ فضل حق نے اپنے مضمون میں ظاہر کیا ہے۔ حضرت نور الہیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور محمد عمر کا خیال درست نہیں کہ دہلی اور لکھنؤ کے شعرا اس قصے کو مبتذل اور عامیانہ سمجھتے رہے اور اس طرف توجہ نہیں کی۔'' ۴۰

انشا کا یہ مشہور شعر

سنایا رات جو افسانہ ہیر رانجھے کا	تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یقیناً اس قصے کی داد دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس قصہ نے بلاد پنجاب سے باہر رواج نہیں پایا۔ لکھنے کو اکثر فارسی اور اردو لکھنے والوں نے اسے لکھا لیکن یہ قصہ کسی طرح ہندوستان پسند نہ بن سکا اور اس کا سبب ادبی یا اخلاقی نہیں ہے بلکہ تاریخی اور جغرافیائی ہے، قصہ سندھ کے قرب و جوار سے متعلق ہے اور ان ممالک کو ماورائے ہندوستان سمجھنے کی قرنہا قرن سے عادت چلی آ رہی ہے، سندھ یا بلوچستان کے قصوں سے اہلِ ہند موانست نہیں پیدا کر سکتے تھے چنانچہ سسی پنوں اور ہیر رانجھا کے قصے چلنے کو تو اپنی زاد بوم سے چلے لیکن قریب ترین جوار یعنی مشرقی پنجاب آتے آتے دم توڑ کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں تو یہ قصے رائج اور مقبول ہو گئے مگر اس کے باہر شاذ و نادر ہی سننے میں آئے۔'' ۴۱

''اسرارِ محبت'' پر تفصیلی تبصرہ سے قبل ہم یہ بتاتے چلیں کہ شمالی ہند میں منظوم داستانوں کا رواج میر اور مرزا کے عہد سے ہوتا ہے اور انھی کے ہاں ان کے اوّلین نمونے مختصر عشقیہ افسانوں کی صورت میں ملتے ہیں خاص طور پر میر کے عشقیہ قصوں میں حمد، نعت، منقبت، مناجات یا بادشاہ وغیرہ کی مدح شامل نہیں ہوتی بلکہ کہانی کے موضوع کے اعتبار سے قصیدے کی تشبیب یا تمہید کے طور پر چند اشعار کہتے ہیں پھر گریز یعنی اصل قصہ شروع کرتے ہیں۔ عشقیہ قصوں کے یہ تمہیدی اشعار میر کے مزاج کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ محبت خان کی مثنوی ''اسرارِ محبت'' میں دوسرا ہی رنگ نظر آتا ہے وہ نعت و منقبت بھی شامل کرتے ہیں لیکن بعض جگہ عنوانات قائم نہیں کرتے اور بعض جگہ ان کی ترتیب بھی درست قائم نہیں کرتے۔ اس مثنوی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پیش نظر میر کی مثنویاں بھی رہی ہوں گی کیوں کہ میر کی مثنوی ''شعلۂ عشق'' کی تمہید و محبت کے موضوع پر اشعار دیکھیے جو کہ میر کے پہلے دیوان ۱۱۹۲ھ میں موجود ہیں۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور	محبت نہ ہوتی نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب	محبت سے آتے ہیں کارِ عجب
محبت ہی اس کارخانے میں ہے	محبت ہی سب کچھ زمانے میں ہے
محبت کی آتش سے انگر ہے دل	محبت نہ ہوئے تو پتھر ہے دل
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ	محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ

اس بحر میں میر کی ایک اور مثنوی ''جوانِ عروس'' ہے جس کی ابتداء میر نے اس طرح کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا ایک فرقے میں جانا ہے عشق — کہ کل نظم ان سب نے جانا ہے عشق
نہ ہو عشق تو انس باہم نہ ہو — نہ ہو درمیاں یہ تو ظالم نہ ہو
کہیں عشق خلوت میں وحدت کے ہے — یہی عشق پردے میں کثرت کے ہے
کہیں عشق عاشق ہے معشوق ہے — کہیں خالق و خلق و مخلوق ہے

میر نے ہر مثنوی کے آغاز میں عشق کی کیفیات واثرات پر متعدد اشعار کہے ہیں۔''حکایت عشق'' نام کی پوری مثنوی میں ۱۶۴(ایک سو چونسٹھ)اشعار ہیں لیکن ابتدا کے پچاس اشعار عشق کی تعریف وتفصیل میں ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

عجب عشق ہے مرد کار آمدہ — جہاں دونوں اس کے ہیں بر ہم زدہ
بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے — بہت خاک مل منہ پہ جوگی ہوئے
کسی کا جگر غم سے خوں ہوگیا — کسی کوہکن کو جنوں ہوگیا
غرض ہے عشق ہے طرفہ نیرنگ ساز — کہیں ناز یکسر کہیں ہے نیاز

میر کی چند مثنویوں کے ابتدائی اشعار دیکھنے کے بعد''اسرارِ محبت'' کے ابتدائی اشعار کو دیکھیے۔''درحمد باری تعالیٰ می نویسد'' کے عنوان ۴۲ سے مثنوی کی ابتداء ان اشعار سے ہوتی ہے۔

محبت نام اور ہر دل نگیں ہے — محبت سے کوئی خالی نہیں ہے
جو سمجھو ذاتِ مطلق فی الحقیقت — محبت ہے محبت ہے محبت
محبت بوئے گل، گل ہے محبت — محبت جزو اور کل ہے محبت
محبت ظاہر اور باطن محبت — محبت اوّل و آخر محبت

اس عنوان میں آگے فرماتے ہیں۔

محبت میں نہ ہو پروائے عالم — محبت ہی کرے رسوائے عالم
محبت اور ہی عالم دکھادے — محبت غم دو عالم کا بھلادے
محبت نے کیا کتنوں کو برباد — محبت میں موئے مجنوں و فرہاد
رکھے ہے جذبۂ صادق محبت — کرے معشوق کو عاشق محبت ۴۳
کہوں کیا میں کہاں تک ہے محبت — زمیں سے آسماں تک ہے محبت

ڈاکٹر سید لطیف حسین کے مطابق ان اشعار میں کچھ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ''اسرارِ محبت'' میں دکنی زبان کا کچھ اثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرور پایا جاتا ہے دراصل محبت خاں اس عشقیہ داستان کی سر زمین سندھ اور وہاں کی زبان سے واقف نہیں تھے لہٰذا انھوں نے دلی اور لکھنؤ کے بین زبان کا انداز اختیار کیا ہے، عشقیہ داستانوں میں دکنی زبان کا اثر اور انداز اس دور کی دکنی مثنویوں میں ملتا ہے اور محبت خان کے پیش نظر وہ قدیم مثنویاں بھی رہی ہوں گی جن کا تعلق دکن ہی سے تھا۔ یعنی بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کے ادبی اثرات دور دراز تک پہنچے تھے۔ محبت خاں فارسی، پشتو، عربی، اردو کے شاعر تھے ان کا اصل وطن سرحدی علاقہ تھا لیکن انھوں نے ہر زبان کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور وہ کسی ایک دبستان سے متعلق نہیں رہے بلکہ انھوں نے برصغیر کی تمام زبانوں سے خوشہ چینی کی۔ ہمیں یہ ذہن نشیں رکھنا چاہیے کہ محبت خان کے آبا سرحد کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کی پیدائش روہیل کھنڈ میں ہوئی تھی، ان کی مادری زبان پشتو اور خاندانی زبان فارسی تھی لیکن انھوں نے لکھنؤ میں رہ کر اردو زبان کے وقار کو بھی بلند کیا۔ اردو روزمرہ اور محاورے کا لطف بھی برقرار رکھا، نہایت سادگی اور دردمندی سے اس داستان کو قلم بند کیا۔

؎ پھلا ایسا ہے بستانِ محبت — یہ پھولا جس سے ریحانِ محبت

در نعت حضرت سید المرسلینؐ

؎ محمد مصطفیٰ رنگِ گلِ عشق — دو زلف اس کی بہار سنبل عشق
؎ کیا معشوق ہو کر اس نے طے عشق — اسی کو عشق ہے اور عشق ہے عشق
وہی مصدوق و صادق ہے، وہی عشق — وہی معشوق و عاشق اور وہی عشق

نعت کے محولہ بالا اشعار میں وارفتگی کی کیفیت پائی جاتی ہے اور رسول مقبول ﷺ سے شاعر کی بے پناہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ میر کی مثنوی ''جوان عروس'' کے ابتدائی اشعار میں سے یہ شعر دیکھیے۔

؎ کہیں عشق عاشق ہے، معشوق ہے — کہیں خالق و خلق و مخلوق ہے

جب کہ محبت خاں یہی بات اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

؎ وہی مصدوق و صادق ہے، وہی عشق — وہی معشوق و عاشق اور وہی عشق

نعت کے بعد منقبت در شان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، در بیان اسرار عشق و تاسد کردن میگوید کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جو اصولاً اور احتراماً قائم نہ کرنے تھے کیوں کہ ''در بیان جذبہ محبت گوید'' کے بعد یہ عنوانات مناسب نہ تھے۔ حمدیہ اور نعتیہ اشعار ابتدا میں ہونے چاہیے تھے۔ حمدیہ، نعتیہ اور منقبت کے اشعار دکن، گولکنڈہ اور بیجاپور کے قدیم شعرا اپنی حکایات اور چکی ناموں میں بالترتیب پیش کرتے تھے، اس ضمن میں پروفیسر مجنوں گورکھپوری فرماتے ہیں ''اس کے بعد نعت اور منقبت ہے اور پھر ''اسرار عشق'' اور ''تاثیر عشق'' کا بیان ہے اور یہ دونوں اپنا اثر رکھتے ہیں حالانکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ محبت کے بیان کے بعد دونوں عنوانات کی ضرورت نہیں تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در منقبت امیر المؤمنین امام المتقین علی ابن طالب علیہ السلام[۴۵]

اہل بیت کی قدر و منزلت محبت خاں کے عقائد میں شامل ہے نعت کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اس مثنوی میں یہ اشعار موجود ہیں۔

وہی ہے نور شمع خانہ عشق   ہر اصحاب اس کا ہے پروانہ عشق
اسے ہے عشق جو نفسِ نبی ہے   اسے ہے عشق جو مولا علی ہے
کہ وہ مشکل کشا ہے قائل عشق   ہوئی آساں اسی سے مشکلِ عشق[۴۶]
رکھ اس بحر ولایت سے سر عشق   کہ ہے وہ آبروِ گوہرِ عشق

عشق کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ حضرت علیؓ کا رشتہ ہے اور ان دونوں کی قربتوں سے عشق و محبت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ جس کا رشتہ رسول پاک ﷺ سے استوار ہوگا اور جو اس ذات سے زیادہ قریب ہوگا اس سے زیادہ عشقِ حقیقی کو کون سمجھتا ہے۔ منقبت در شان حضرت علیؓ کے چند اشعار سے حضرت علیؓ سے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے اور اہلِ بیت سے محبت و عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

در بیان اسرارِ عشق و تاثیر کردن میگوید[۴۷]

اس عنوان کے تحت عشق و محبت کی تاثیر کا حال بیان کیا گیا ہے ابتدا اس طرح کرتے ہیں۔

بیاں کرتا ہوں اب اسرارِ عشق آہ   عجائب رنگ کے ہیں کارِ عشق آہ
نہ چھوڑے پر نہ چھوڑے جان و دل عشق   کہ ہے غارت گرِ ایمان و دل عشق
یہ آتش کب بجھے ہے لگ کے جاں کو   اس آتش نے جلایا اک جہاں کو
سبھی کچھ پھونک دے جیدھر ہو سرکش   یہ آتش ہے یہ آتش ہے یہ آتش[۴۸]
یہ آتش جس کے سر پر شمع ساں آئے   تو یہ بھڑکے کہ قدموں سے گزر جائے
یہ آتش کوہ میں بھڑکے جو آکر   تو دم میں طوطیا کردے جلا کر
غرض آتش ہے یہ ایسی شرر بار   کہ ہے جس کا نمونہ کرۂ نار

محبت خان نے عشق کے اسرار بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آگ میں جلنے والے خواہ کسی مذہب و عقیدہ کے ہوں ایسا کیف و سرور پاتے ہیں کہ جس کا بیان ممکن نہیں عشق حقیقی ہو یا مجازی اس کی لذت اور کارفرمائیاں کسی کو سکون نہیں لینے دیتیں۔

نہ کیوں کر شمع دے اس کو چراغی   دل مہ ہے اسی آتش سے داغی

پھر محبت کی تاثیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو دستِ تعقل سے یہ تحریر　　محبت کی ہے دور از عقل تاثیر
اگر بلبل نہ ٹک آرام پاوے　　تو غنچہ بے کلی سے تنگ آوے
رگِ مجنوں پہ جب نشتر لگایا　　وہیں لیلیٰ کا خوں جوشش میں آیا
اثر دیکھا عجب میں اس کا صادق　　نہ معشوق اس کا چھوٹے ہے نہ عاشق
محبت نے بہت بے جاں کیے ہیں　　کہوں کیا جوجو کارستاں کیے ہیں
انھیں میں سے یہ اک افسانہ عشق　　بیاں کرتا ہوں میں دیوانہ عشق

عشق و محبت کے بارے میں ملتے جلتے اشعار جن میں عشق کی کارفرمائیاں اور کارستانیوں کی طرف اشارے کیے ہیں۔

لیلیٰ و مجنوں اور شیریں وفرہاد کی تلمیحات کو کوہ وسنگ کے ذریعے بیان کیا ہے اس تمہید کے لیے چند اشعار ہی کافی تھے لیکن محبت خاں ایک زود گو شاعر تھے ان کے لیے مثنوی کے اشعار کی تعداد میں اضافہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ انھوں نے مثنوی کے اصل قصے کی جانب آنے سے پہلے اس مثنوی کی وجہ تصنیف بھی بیان کیا ہے۔

در بیان سبب تصنیف کتاب میگوید[۴۹]

در ذکر فرمائش صاحب والامناقب قدر دان دوستان مسٹر جانسن صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ[۵۰] محبت خان، مثنوی ''اسرارِ محبت'' کا سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ے کہ فرمائش ہے یہ اک نکتہ داں کی　　شفیق و قدر دان و مہرباں کی
ے وہ مثلِ جان و عالم جملہ تن ہے　　تبھی نام اس کا مسٹر جانسن[۵۱] ہے
سراپا اس کو کیا کہیے کہ کیا ہے　　وہ اک ذہنِ ذکا، طبع رسا ہے
زبس تھی مجھ میں اور اس میں محبت　　بہم آپس میں تھے ہم گرم صحبت
قضا را یہ ہوا اک روز مذکور　　کہ افسانہ ہے اک دل چسپ و مشہور
وہ قصہ سسی اور پنوں کا ہے گا　　اگر منظوم ہو جاوے تو اچھا
کہی القصہ پھر بندے سے یہ بات　　اگر ضایع نہ ہووے اس میں اوقات
تو مضموں کر کے اس قصے کا معلوم　　یہ ہے منثور[۵۲] کر تو اس کو منظوم
یہ بات اس واسطے تجھ سے کہی ہے　　کہ مشق اس کی بہت تجھ کو رہی ہے

مندرجہ بالا اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسٹر جانسن جو لکھنؤ کے ریذیڈنٹ تھے ان کے محبت خان سے دوستانہ مراسم تھے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے ساتھ علمی وادبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے بھی واقف تھے مزید ان اشعار سے مسٹر جانسن کی علم دوستی وقدر دانی کے ساتھ ساتھ نواب موصوف سے ان کے ذاتی تعلقات کا بھی پتہ چلتا ہے ایک امر اور واضح ہوتا کہ ''سسی پنوں'' کے اصل قصہ کے بارے میں مسٹر جانسن کو بھی علم نہیں تھا، انھوں نے کسی کی زبانی یہ قصہ سنا ہوگا اور دل چسپ پا کر محبت خان سے اس کو نظم کرنے کی فرمائش بھی کر دی جسے محبت خان ٹال نہیں سکتے تھے۔ مسٹر جانسن کا یہ کہنا کہ اس کی مشق چوں کہ نواب موصوف کو رہی ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نواب صاحب نے یا تو کوئی اور مثنوی بھی لکھی ہوگی یا پھر نواب موصوف کی اردو شاعری اور فارسی شاعری کے بارے میں مسٹر جانسن خوب واقف ہوں گے۔ مسٹر جانسن کا فرمائش کرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد مختلف قدیم فارسی قصوں اور داستانوں کو اردو قالب میں ڈھالنے کی باقاعدہ ابتدا تو فورٹ ولیم کالج سے ہوئی لیکن ۱۱۹۷ھ میں جب اس ''مثنوی اسرار محبت'' کو نظم کیا گیا، تو اس حقیقت کا علم بھی ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے انگریز سخن فہم وادب نواز ان قصوں کی ترویج واشاعت چاہتے تھے تاکہ انگریز کارندے اور سرکاری ملازمین برصغیر کی تہذیب، ثقافت اور رسم ورواج جان سکیں اور تادیر ہندوستان پر حکومت کرتے رہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریز حکومت کے کارندے تحقیقی جذبہ رکھتے تھے، جب بھی انھیں ایسی کوئی داستان سننے میں آتی وہ اسے ضبط تحریر میں لانے کے متمنی رہتے تھے تاکہ اسے پوری طرح جان سکیں۔ اس مثنوی کو منظوم کرانے میں مسٹر جانسن کا بڑا حصّہ ہے کیوں کہ اس داستان کو اردو میں سب سے پہلے محبت خاں ہی نے نظم کیا ہے۔ اس مثنوی کو منظوم کرنے سے قبل محبت نے دیگر مثنویوں کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگزیب نے گولکنڈہ کو بھی مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ قطب شاہی سلطنت بھی عادل شاہی کی طرح پورے سو سال قائم رہی اور شعراء کی سرپرستی کرتی رہی۔ ۵۳؎ اس عہد کے مشہور ومعروف شاعر محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی، ابن نشاطی، جنیدی، فائز وہاشمی وغیرہ اپنی مثنویوں کی وجہ سے زندہ رہے ان کی مشہور مثنویاں محبت خان کے سامنے رہی ہوں گی لہٰذا ان کا انداز بھی دکنی انداز داستان گوئی سے ملتا جلتا ہے اور اس مثنوی میں یہ انداز برابھی نہیں معلوم ہوتا۔

شروع داستان در تعریف ملک جنگ سیال ۵۴؎

ہم اس سے قبل گزشتہ صفحات میں اس قصے کے سندھی پلاٹ کو تحریر کر چکے ہیں۔ اس کہانی میں کہیں جنگ سیال کا نام نہیں آیا لیکن ''اسرار محبت'' کے مطبوعہ نسخے میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے جب کہ قلمی نسخے میں عنوان تو اس قسم کا نہیں ہے لیکن ایسے اشعار ضرور موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سسی جھنگ سیال کے اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو ہیر کا خاندان تھا۔ اس مثنوی کی کہانی میں یہیں بنیادی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

؎ عجائب اس کہانی کا ہے مذکور　　　کہ ہے گا جھنگ سیال ۵۵؎ اک ملک مشہور
؎ بنایا حق نے ایسا اس مکاں کو　　　کہ جس پر رشک ہے باغ جناں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ نہ دیکھا کوئی گھر ایسا کہ نت واں — نہ لہراتا ہو بحر حسن خوباں
۔ غرض وہ عشق خیز ایسی زمیں ہے — کوئی واں عشق سے خالی نہیں ہے
۔ خصوصاً تھا وہاں اِک خانۂ عشق — سب اس کے گھر ہوئے دیوانۂ عشق

آغاز داستان در تعریف حسن سسی میگوید۵۶

در شروع داستان۵۷

۔ شروعِ داستاں اب یاں سے کیجے — نہایت طول قصے کو نہ دیجے
۔ کہ تھی اِک ہیر اس گھر میں پری زاد — ہوئی تھی عشق میں رانجھے کے ناشاد
۔ اسی کی غیرتِ گل اِک بھتیجی — کہ جس کا نام تھا ۵۸ مشہور سسی

ملک جھنگ سیال کی تعریف اور آغازِ داستان کے عنوانات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس داستان کی ہیروئن پنجاب سے تعلق رکھتی ہے۔۵۹ پروفیسر مجنوں گورکھپوری اسرارِ محبت پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں۔

''سسی پنوں اور ہیر رانجھا کے قصوں میں اتنا تعلق ہے کہ سسی ہیر کی بھتیجی تھی اور حسن و جمال میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ ہیر کو رانجھا نامی ایک جوان رعنا سے عشق تھا اور اس لحاظ سے ہیر اور سسی ایک ہی آگ میں جل رہی تھیں اسی لیے محبت لکھتے ہیں۔

۔ خصوصاً تھا وہاں اک خانۂ عشق — سب اس کے گھر کے ہوں دیوانۂ عشق

''مگر آخر یہ قصہ کہاں کا ہے؟ مثنوی کے زیرِ تبصرہ مطبوعہ نسخہ میں کسی شہر یا ملک کا نام نہیں ہے۶۰ لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام سندھ میں تھا اور بھن پور کہلاتا تھا۔ فضل حق صاحب نے زبان سے اس قصے کی جو روایت درج کی ہے اس میں اس شہر کا یہی نام دیا ہے۔ ممکن ہے پروفیسر رضوی کے پاس ''اسرارِ محبت'' کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں ملک اور شہر کا تعین موجود ہے اور اس بنا پر وہ اس ملک کو ''جنگ سیال''۶۱ بتاتے ہوں خیر وہ کوئی سرزمین اور کوئی شہر رہا ہو، محبت اس کا تعارف یوں کراتے ہیں''۔

۔ عجب صورت کی وہ بستی تھی دلکش — کہ جس کو دیکھیے واں تھی پری وش
۔ نہ دیکھا کوئی گھر ایسا کہ نت واں — نہ لہراتا ہو حسنِ بحر خوباں

در بیان سراپا۶۲

مثنوی ''اسرارِ محبت'' میں اس عنوان کے تحت یعنی سسی کا سراپا بیان کرتے ہوئے محبت خاں نے اس دور کے لکھنوٴ دبستان کا ایک شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ معاملہ بندی کے جتنے اشعار مثنوی کے اس حصے میں موجود ہیں وہ شاید محبت کے پورے اردو دیوان میں بھی موجود نہ ہوں گے۔ گو کہ اس مثنوی میں لکھنوٴ کی بے اعتدالی کے اثرات شروع ہی سے ملتے ہیں، لیکن سسی کے سراپا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان میں ایک ہی خیال کو بار بار دہرا کر بھرتی کے اشعار شامل ہو گئے ہیں جب کہ حسن کو جتنا ڈھکا چھپا کر بیان کیا جائے اس میں ایک تجسس باقی رہتا ہے لیکن صاف اور واضح الفاظ میں جب پورے بدن کے ایک ایک حصہ کا بیان تحریر کیا جائے تو وہ بیان ابتذل کی زد میں آ جاتا ہے، جو شاعری کے معیار کو گرا دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اشعار میں تشبیہات و استعارات کی مثالیں موجود ہیں جو محبت خان کی غزلیات کی طرح مرصّع ہیں۔ سراپا کے بیان کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں۔

سراپا کیا لکھوں اس شمع رو کا ۔۔۔ کہ تھی وہ حسن کا شعلہ سراپا
عیاں یوں موئے سر تھے عنبر آلود ۔۔۔ کہ جیسے شمع کے شعلے پہ ہو دود
یہ کافر تھی درخشاں ان میں وہ مانگ ۔۔۔ دل مجنوں کو جو لیلیٰ سے لے مانگ
گندھی چوٹی نظر اس شکل آوے ۔۔۔ کہ جوں مارِ سیہ لہریں دکھاوے
پریشاں رُخ پہ یوں زلفیں تھی یکسر ۔۔۔ رگ ابر سیہ جیسے ہو مہ پر
نگہ بدر فلک کر اس جبیں پر ۔۔۔ یہ بولا کاش میں ہوتا زمیں پر
یہ خوں ریزی میں تھے ابروئے پُر خم ۔۔۔ بیک جنبش کرے قتلِ دو عالم
دو گوش ایسے رکھے تھی وہ سمن بُو ۔۔۔ کہ پکڑیں کان جس کے آگے گل رو
وہ بحرِ حسن جب دریا پہ جاوے ۔۔۔ صدف کے منہ میں بھی پانی بھر آوے
کرے مژگاں چھپک کر کچھ جو تقریر ۔۔۔ دلوں کے پار ہووے دستۂ تیر
وہ دنداں آبدار اس سیم بر کے ۔۔۔ کہ سوراخ ان سے ہے دل میں گہر کے
وہ تنگی دہن کی گر دیکھ پاوے ۔۔۔ تو پھر خجلت سے غنچہ منہ چھپاوے
زباں کھولوں اگر وصفِ دہاں پر ۔۔۔ سخن ہوجاوے گم میری زباں پر

مثنوی میں جزئیات نگاری اور منظر نگاری قدما کا دستور رہا ہے اس طرح مبالغہ آرائی کے خوب خوب مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ قصائد اور مثنوی میں مبالغہ آرائی کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ پوری فارسی، اردو شاعری مبالغہ آرائی سے بھری پڑی ہے، ان اشعار میں بھی شاعر کی جودتِ طبع اور فکر رسا کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اسی عنوان کے تحت آگے چل کر معاملہ بندی اور ابتذال کے زمرے میں کئی اشعار آ جاتے ہیں۔

غلط ہے یہ انار ایسے کہاں ہیں ۔۔۔ وہ قصر حسن کی دو برجیاں ہیں
یہ گوری گول اونچی پیاری پیاری ۔۔۔ کہ جو دیکھے کرے جی ان پہ واری
بہار حسن کو ناف اس کی دے آب ۔۔۔ کہ ہے وہ لجّۂ خوبی کا لجّۂ
کروں کیا ظاہر اب وصف نہاں کو ۔۔۔ حیا کہتی ہے تھا نب ۶۳ اپنی زباں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ مگر زانو پہ تھی ایسی صفائی　　　کہ جوں آئینہ میں دے منہ دکھائی

مندرجہ بالا اشعار میں ابتذال پایا جاتا ہے لیکن یہ عنوان ہی ایسا تھا جس میں سسی کا سراپا بیان کرنا تھا لہٰذا بعض باتوں سے دامن بچانا مشکل تھا۔ اگر محبت خان ابتذال سے دامن بچانا چاہتے تو ان کے لیے یہ کام بھی مشکل نہ تھا لیکن مثنوی نگاری کے لوازمات سے کس طرح کنارہ کشی اختیار کی جاتی، یہ جزئیات نگاری تو مثنوی کا ایک خاص رنگ قائم کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ''اسرارِ محبت'' دوسری بہت سی عشقیہ مثنویوں کی طرح کی ایک مثنوی تھی جس کی کہانی کا پلاٹ ہی حسن و عشق کے خمیر سے تیار کیا گیا تھا۔ اس دور میں لکھنؤ کی بے اعتدالیاں عروج پر تھیں وہاں کی طرزِ معاشرت کے بارے میں ڈاکٹر خان رشید رقم طراز ہیں:۔

''پنڈتوں اور برہمنوں کی ہوس رانیوں نے مندروں میں دیوداسیوں کے روپ میں ویشاؤں کو داخل کیا۔ شیو روایات سے فائدہ اٹھا کر اور اپنی خواہش سے ہم آہنگ پا کر لنگ پوجا کو فروغ دیا۔ درگاہوں اور مذہبی محفلوں میں طوائفیں داخل ہو گئیں۔ یا تراؤں پر ممنوعہ کسبیاں چھا گئیں تکلف اور تصنع کو وہ فروغ ہوا کہ جب امراء کی بہو بیٹیاں طوائفوں اور کسبیوں کی محفلوں کے خوگر مردوں کے ذوق کی تسکین نہ کر سکیں تو آدابِ مجلس، اندازِ گفتگو اور ناز و غمزوں کی تعلیم کے لیے ان کی ایک خاص عمر تک طوائفوں کے کوٹھوں پر رکھا جاتا''

ان عوامل نے بتدریج لکھنؤ کی معاشرت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

ذکر نمودن شخصے بالمشافہ سسی کہ در باغ تو اک قافلہ بلوچاں دار دش ست ۶۴

در بیان محبت ۶۵

اب یہاں سے باقاعدہ قصہ کی جانب گریز کرتے ہیں لیکن اس کا یہ عنوان اسی انداز کا ہے جو اس سے قبل بھی قائم کر چکے ہیں، اس عنوان کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

۔ بیان کرتا ہوں اب ذکرِ محبت　　　کہ تھی ہم قوم اس کی ایک عورت
۔ قضا را اس نے کی اک دن یہ گفتار　　　کہ تیرے باغ میں اک رشکِ گلِ زار
۔ عجب اک قافلہ اترا ہے رنگیں　　　کہ رکھتا ہے متاعِ حسن تمکیں ۶۶

سسّی کی ایک ہم قوم عورت نے سسّی کو اک دن بتایا کی بلوچوں کا ایک قافلہ تیرے باغ میں اترا ہے اس قافلے کا ہر فرد نوجوان و حسین ہے۔ سسّی نے یہ سنا تو وہ سج دھج کر وہاں پہنچی۔

۔ یہ سنتے ہی سخن وہ غیرتِ گل　　　چلی گھر سے چمن کو با تجمّل

در بیان تعریف باغ مینویسد ۶۷

اس بیان میں محبت خان نے باغ کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں مبالغہ آرائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور لفاظی سے اس عنوان کو سجایا ہے، کہانی آگے بڑھتی ہے۔ باغ کی تعریف دیکھیے:۔

؎ بصد نازو ادا پہنچی وہ تا باغ — عجب رنگین وہ اس گل کا تھا باغ
؎ وہاں پھولے تھے یوں گلہائے بستاں — کہ تھے خجلت زدہ رخسارِ خوباں
ہر اک سنبل کا ایسا پیچ تھا خوب — کہ بل بل جائے جس پر زلفِ محبوب
؎ بصد خوبی بہار اس جا عیاں ہے — زمین باغِ رشکِ آسماں ہے
؎ بھرا نہروں میں تھا ایسا ہی پانی — کہ گویا تھا وہ آبِ زندگانی
؎ کسی جانب کو پھولوں کی مہک تھی — کسی جانب کو سبزے کی لہک تھی
؎ جہاں میں باغ ایسا کوئی کم ہے — نمونہ جس کا اک باغِ ارم ہے

مندرجہ بالا اشعار میں سادگی و روانی دیکھیے تو پتا چلتا ہے کہ محبت خان ایک زود گو اور کہنہ مشق شاعر ہیں جنھیں منظر نگاری میں بھی کمال حاصل ہے۔ جس عنوان کو بیان کرتے ہیں، تخیل ان کے زیرِ قلم اپنی خوب جولانی دکھاتا ہے۔

در بیانِ تعریف حسنِ پنوں میگوید ۶۸

سسی کے حسن کی تعریف کے بعد محبت خان نے پنوں کے حسن کی تعریف میں بھی اپنا زورِ بیان صرف کیا ہے ظاہر یہ کرنا مقصود تھا کہ سسی کا معاشقہ معمولی نہیں تھا کہ جس کا عاشق کوئی عام شخص ہوتا۔ پنوں ایک معیاری حسینہ کی تلاش میں تھا تو سسی کا بھی کوئی آئیڈیل ضرور تھا اسی لیے تو وہ ایک نظر دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ پنوں کا سراپا پیش کرتے ہوئے محبت خان فرماتے ہیں:۔

؎ جواں ایسا کہ گر دیکھیں سراپا — تو گُل دستہ وہ باغِ حسن کا تھا
؎ عرق آلودہ چہرے کا یہ عالم — کہ جیسے گُل پہ ہوں قطراتِ شبنم
؎ یہ کیسی انکھڑیاں تھیں پر خماری — کہ نرگس جس سے کھینچے شرمساری
؎ کریں ابرو جو اس کی تیغ زانی ۶۹ — تو پھر مانگے نہ مارا اس کا پانی
؎ وہ عشاقوں میں تھا یوں نو بہار ایک — کہ جیوں بیمار سو ہوں اور انار ایک
؎ خراماں ہو جدھر وہ ماہِ سیما — تو ہو ہر ہر قدم پر حشر برپا
؎ نگاہوں کے کہیں چل جائیں بھالے — اداؤں میں کسی کو مار ڈالے
؎ کوئی تھا کشتۂ ناز و تغافل — کوئی عاشق تھا پامالِ تجمل
؎ بلائے جان۔ عاشق تھا وہ مہ رو — کوئی آفت کا پر کالہ تھا پنّو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ وہ زلف و چشم و ابرو، قدوقامت بلا و فتنہ و آفت، قیامت

روز مرہ محاورات اور نکاتِ سخن کا پُر زور اظہار ان اشعار میں پایا جاتا ہے پنوں کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے بھی اشعار میں وہی روانی اور پختگی ہے جو سسّی کے سراپے میں موجود تھی۔ محولہ بالا اشعار کے آخری شعر کو دیکھیے اور صنعتِ ''لف ونشر مرتب'' کی داد دیجیے۔ زلف کو بلا، چشم کو فتنہ، ابرو کو آفت اور قد و قامت کو قیامت قرار دیا ہے۔

؎ وہ زلف وچشم وابرو قد و قامت بلا و فتنہ و آفت، قیامت

پنوں کے حسن کی تعریف کو آخر میں اس انداز سے معتبر بناتے ہیں کہ نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ ہم کو محبت خان کی بات اور اس کا جواز سن کر انکار کرنے یا پنوں کے حسن سے انحراف کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

؎ غرض صورت یہ تھی اس دلربا کی نمایاں جس سے تھی قدرت خدا کی

شاعری کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اپنی بات کو منوانے کے لئے یا تو خود شاعر اشعار کے ذریعے جواز پیدا کردے یا پھر خود قاری اس کی بات کو تسلیم کرتا چلا جائے کیوں کہ قاری اتنی سمجھ ضرور رکھتا ہے کہ کونسی بات درست ہے اور کون سی بات بعید از عقل ہے۔

در بیان نظر افتادن سسّی بر پنوں مینویسد ۰ے

؎ جب اس رشکِ پری پر ٹک نظر کی تو پھر جا کے نظر واں سے نہ سرکی
؎ یکا یک وہ ہوئی یہ محوِ دیدار کہ جنبش ہوگئی مژگاں کو دشوار
وہ گلشن کا تماشہ سب بھلایا فلک نے اور بھی اک گُل کھلایا

دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے اور چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہیں، شرابِ دیدار میں اس قدر محو ہوئے کہ پنوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

؎ پس اب بہتر ہے گر تو مانے یہ بات گزاریں عشرتوں سے باہم اک رات
؎ خدا جانے فلک پھر کب ملادے بھلا حسرت یہ دل میں رہ نہ جاوے

اس کے بعد سسّی بظاہر ناراضگی کا اظہار کرتی ہے کہ آخر اس نے سسّی کو سمجھا کیا ہے، سسّی کہتی ہے۔

؎ یہ تو نے مجھ سے کی تقریر کیسی ہمارے ملک میں نئیں اے رسم ایسی
؎ جو پاوے فسق سے آلودگی عشق ہے اس ملکِ وفا میں عشق یہ فسق

اور پھر فوراً ہی پنوں اپنی بات کی تردید کرتا ہے اور اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

؎ یہ بولا سن کے وہ اے غیرتِ حور نہیں یہ بات تو مجھ کو بھی منظور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ـ مگر میں رہ نہیں سکتا کروں کیا ہم آغوشی کو جی چاہے ہے میرا ۲ے
ـ بھلا ایسی میسّر ایک شب ہو کہ ہو سینہ بہ سینہ لب بہ لب ہو
ـ گزر جائے مزے سے رات ساری بس اتنی سی تمنّا ہے ہماری

پنوں نے دیکھیے کتنی معمولی سی تمنا اور آرزو کی ہے اور پھر پنوں کی یہ تقریرین کر سسّی بھی اس بات پر راضی ہوگئی اور یہ وعدہ کر کے چلی گئی کہ رات کے وقت اپنے گھر کے افراد سے چھپ کر آئے گی۔ وعدہ کے مطابق سسّی اپنے محبوب سے ملنے پہنچ گئی۔ رات بھر جاگتے اور ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوتے رہے۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے محبت خان نے جو رنگ اشعار میں بھرا ہے وہ بلا شک وشبہ دبستانِ لکھنوٴ کی نمائندگی کرتا ہے، معاملہ بندی اور ابتذال کے اس بہاؤ میں انشاء، جرأت کی طرح محبت خان بھی بہ گئے، ایک دن کی ملاقات کو چند اشعار میں ختم کیا جا سکتا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے محبت خان کو پھر اس قسم کی منظر کشی کا موقع نہ ملتا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہی سنہری موقع تھا جس میں محبت خان اپنے قلم کی جولانی دکھا سکتے تھے۔

کہوں کیا کس مزے سے تھی ملاقات میّسر کس کے تئیں ہوتی ہے یہ رات
کبھی تھا وہ بلا گردان اس کے کبھی ہوتا تھا وہ قربان اس کے
کبھی تو دیکھتے صورت سے خاموش کبھی ہوتے تھے آپس میں ہم آغوش
کبھی ہاتھ اس کا وہ سینے پہ لاتی اور اپنے دل کی بیتابی دکھاتی
کبھی پھر ہو کے ان باتوں سے غافل لبوں سے کام دل کرتی تھی حاصل
رہی یہ نصف شب تک ان میں صحبت کہ تھے سو سو طرح سے عیش و عشرت
ہم آغوشی سے جب آرام پایا یکایک خوابِ راحت ان کو آیا
بہم چسپیدہ تھے اس رنگ خاموش دو تصویریں کھنچیں جیسے ہم آغوش

اس منظر کشی کے بعد اور کون سی بات ایسی رہ جاتی ہے جو انسان کی جنسی بے راہ روی سے قریب نہ ہو اور ادب کو بے ادب نہ بناتی ہو لیکن عشقیہ داستانیں پھر بھی اپنی جگہ قائم ودائم رہتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ داستانیں محبت کے جذبہ سے شروع ہوتی ہیں اور اسی جذبے پر ختم ہوتی ہیں۔ ایک مشاق شاعر داستان کی جزئیات سے گزر کر مہارت سے الفاظ کو اپنے تابع بناتا ہے اور کہانی کا ایک رنگ قائم کرتا ہے۔ کہانی کا عروج شروع ہوتا ہے اور ایک ٹریجڈی سامنے آتی ہے وصل کے بعد ہجر کا موسم آتا ہے اور قافلے والے یہ دیکھتے ہیں کہ پنوں اور سسّی تمام رات ہم آغوش رہے ہیں تو وہ اس خوف سے کہ مبادا سسّی کا کوئی رشتہ دار ان کو اس حالت میں نہ دیکھ لے، پنوں کو خوابِ غفلت میں ہی اونٹ پر بٹھا کر کیچ کی جانب لے جاتے ہیں۔ ۳ے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دربیان جدا شدن پنوازسسّی و دیوانہ شدن سسّی درفراق پنومینو یسد۴ے

جدا سسّی سے پنوں یوں ہوا ہائے
کہ جیسے جان ہو تن سے جدا ہائے

شرابِ عشق سے تھی وہ بھی سرشار
نہ ہوئی اس ماجرے سے کچھ خبردار

رہی سوتی ہی غافل یاں یہ مہجور
ہزار افسوس پہنچا قافلہ دور

نہ دیکھا اس نے جو بر میں وہ دلبر
عجب صورت سے تھی حیران و ششدر

یہی رہ رہ کے آتا تھا پریکھا
یہ تھا کچھ واقعی یا خواب دیکھا

ہوا خونِ جگر آنکھوں سے جاری
لگا دل بر میں کرنے بے قراری

نظر کر پیش و پس ادھر اُدھر کو
لگی رونے وہ دھر زانو پہ سر کو

نہ بن آتی تھی واں اس کو کوئی بات
پھر آخر دل میں ٹھہرائی یہی بات

گریباں پھاڑ منہ سے خاک ملیے
گیا ہے وہ جدھر اودھر کو چلیے

نہ ہووے پاس گر وہ یار جانی
تو ہے کس کام ایسی زندگانی

پنوں کی جدائی میں سسی کا جو حال ہوا اس کی منظر کشی محولہ بالا اشعار میں کی گئی ہے۔ سسی پنوں کے تعاقب میں دیوانہ وار روانہ ہوتی ہے، اس کا رخ اسی جانب ہے جس جانب قافلہ روانہ ہوا تھا، سسی برہنہ پا اور ننگے سر وارفتگی کے عالم میں اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں قافلہ کے نقشِ قدم پر رواں دواں ہوئی۔ اس کے لبوں پر یہ غزل تھی۔۵ے

بس اپنا کچھ نہیں اب آہ چلتا
کہ دل کو لے گیا اک راہ چلتا

سمجھتا تو یہی تھی راہ کی بات
کہ مجھ کو بھی لیے ہمراہ چلتا

چھے اشعار کی اس غزل کے بعد مثنوی ۶ے کے عنوان سے پھر وہی رنج والم کی داستاں شروع ہوتی ہے۔

یہ پھڑ پھڑ پٹیتی تھی سر وہ اپنا
رکھا تھا ہاتھ لاکے دل پر اپنا

یہ آہیں کھینچتی تھی وہ ستم کش
کہ لگ اٹھتی تھی صحرا کو بھی آتش

ہوا غالب جو ضعف اس نازنیں پر
گرایا ناتوانی نے زمیں پر

سمجھ کر بستر اپنا صفحۂ خاک
برنگِ نقشِ پا بیٹھی وہ غمناک

اپنے محبوب کی تلاش میں جنگل بیاباں میں چلتے چلتے نحیف وکمزور ہوگئی لیکن اس کا جذبہ اور ذوقِ سفر اس کی ہمت افزائی کرتا رہا۔

سسی کے اس حالِ زار کی خبر اس کے ماں باپ کو بھی ہو جاتی ہے اور وہ روتے پیٹتے جنگل کی طرف دوڑتے ہیں، اسے سمجھانے بجھانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کوشش کرتے رہے، بڑی مشکل سے اس کے عزیز و اقارب اسے یہ کہہ کر اٹھا لے لاتے ہیں کی اس دنیا میں تجھے پنوں سے اچھا اور خوب صورت شخص ملے گا اور اگر اسے تجھ سے اتنی الفت ہوتی تو وہ کس طرح تجھے تنہا چھوڑ کر چلا جاتا لیکن سسّی ان کی باتوں میں نہیں آتی۔ اس کے عزیز اسے گھر لانے میں کام یاب تو ہو گئے لیکن گھر پہنچنے پر اس کی وحشت میں اور اضافہ ہو گیا۔

خدا کے واسطے تم یاں سے جاؤ   میرا مت دھیان اودھر سے ہٹاؤ
بہا کر اشک خونیں چشم تر سے   پٹکتی تھی وہ سر دیوار و در سے
یہی کہتی تھی مَل مَل دستِ افسوس   کیا ہے کیوں مجھے یاں لا کے محبوس
کبھی تو بسترِ غم پر بلکنا   کبھی بالیں پہ سر دے دے پٹکنا
فلک پر دیکھ کر تارے چمکتے   جگر پر اس کے انگارے دہکتے

سسی اپنے محبوب کی یاد میں اس قدر تڑپی کہ وہ مرنے کی دعا مانگنے لگی کیوں کہ یہ دنیا اب اس کے لیے انگاروں پر لوٹنے کے برابر تھی اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے کبھی اس پر دیوانگی کا عالم طاری ہو جاتا اور وہ اس بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکل جاتی اس کے اہلِ خانہ اسے گھیر کر پھر واپس لاتے۔

نظر کر چار سو پھر ہو کے مایوس   لگی ملنے وہ اپنے دستِ افسوس ۸؎
ہوئے رخسارۂ گل گوں وہ ایسے   کہ منہ پر مردنی پھر ۹؎ جائے جیسے

ان اشعار میں محبت خان نے سسّی کی زبانی غم و الم کی جو کیفیات اور واردات بیان کی ہیں ان میں روانی اور سلاست موجود ہے اور یہ قدرت بیان کی دلیل ہے۔ عشقیہ داستانوں میں یہ امر بعید نہیں کہ عاشق و معشوق دونوں بڑی سے بڑی رکاوٹ دور کر کے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کا راستہ دنیا کی کوئی مشکل نہیں روک سکتی لہٰذا دوسری عشقیہ داستانوں کی طرح سسّی بھی ایسی ہی ہیروئن ہے جو آگ کے سمندر سے گزر کر بھی پنوں سے ملنا چاہتی ہے۔

کبھی صحرا میں کرنا شور و افغاں   کبھی جا روندتی خارِ مغیلاں
کبھی پھیلا کے دونوں پاؤں اک بار   زمیں پر بیٹھ جاتی ہو کے ناچار

پھر پنوں سے شکوہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔

مجھے آوارہ کر کے اے پری رُو   پھنسا کیا واں کسی کی زلف میں تو
کُھبا کس کا یہ دل میں قد و قامت   ہوئی برپا جو یاں مجھ پر قیامت
تجھے کافر ادا کس کی خوش آئی   جو تُو نے مجھ سے کی یوں کج ادائی
تبسّم تجھ کو واں کس کا خوش آیا   کہ تُو نے مجھ کو یاں ایسا رُلایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی سے کیا ہوئی ہے تیری شادی — کہ مجھ غمناک کی سدھ بدھ بھلادی
پڑا کس لب شکر سے کام تجھ کو — ہوئی جو زندگی یاں تلخ مجھ کو

محولہ بالا اشعار میں بڑی ہوشیاری سے ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مثلاً سدھ بدھ، کھبا وغیرہ اور صنعتِ تضاد کا بھی خوب استعمال کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سسّی پنوں کی زبان سے ادا ہونے والی باتیں محبت خان نے دونوں کرداروں میں ڈوب کر لکھی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار حقیقت نگاری سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں۔

بہر حال کہانی آگے بڑھتی ہے سسّی کی حالتِ زار دیکھ کر اس کے اہلِ خانہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور سسّی کو بتاتے ہیں کہ ہم پنوں کی تلاش میں جاتے ہیں اور اسے ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ تیرا عقد کردیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ تو اپنی حالت تبدیل کر اور اس طرح گھر سے نکلنا چھوڑ دے اور گوشہ نشین ہوجا۔ اسی دوران چند افراد کو پنوں کی تلاش میں بھیجا گیا لیکن وہ نامراد واپس آئے۔ ان لوگوں نے سسّی کو آگاہ نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ ہم نے پنوں کے ملک کے بارے میں معلومات حاصل کرلی ہیں اب ہم بہت جلد وہاں روانہ ہوں گے اور جلد ہی تم اپنے محبوب سے ملوگی وہ اسے تسلّی تشفّی دیتے رہے۔

خدا کے فضل سے ہے عنقریب اب — کہ تجھ سے آملے تیرا حبیب اب

لیکن سسی کے دل کو سکون کہاں تھا وہ سوچتی ہے کہ اسے اپنے محبوب کو خود تلاش کرنا پڑے گا، وہ اپنے عزیزوں کی باتوں میں آکر وہ اپنی راہ کھوٹی کررہی ہے اور پھر وہ فوراً ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

تو بحرِ عشق نے پھر جوش مارا — چلی صحرا کو کر سب سے کنارا

اس شعر کے بعد محبت خان پھر سسی کی کیفیت بیان کرنے میں جو اشعار کہتے ہیں وہ اضافی معلوم ہوتے ہیں مثلاً

اسے جب کوئی کچھ سمجھانے آتا — تو یہ روتی کہ بس جی ڈوب جاتا

اس کے بعد پھر انھیں یہ شعر کہنا پڑتا ہے۔

پڑا تھا اس کے سر پر تو خرابا — نکل بھاگی وہ گھر سے بے محابا

درمیان میں پھر محبت خان نے ایک غزل سسّی کی زبان سے کہلوائی ہے۔

ے کہیں اپنا تیرے بن کس سے ہم درد — نہ کوئی ہم نشیں ہے یاں نہ ہمدرد
ے نہیں اب آہ دم لینے کا مقدور — اٹھے ہے دل میں ایسا دم بہ دم درد
نہ آیا تو، تو میں جاؤں گی شاید — لیے ہستی سے تیرا تا عدم درد

اس کے بعد پھر ''مثنوی'' کے عنوان سے داستان کو آگے بڑھاتے ہیں، اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ غزل اختتام کو پہنچی اب اصل قصے کی طرف پھر آتے ہیں اور پھر وہی آہ وزاری وہی مصائب وآلام کے پہاڑ جو سسی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے کبھی کہتی تھی یہ کیسی تباہی پڑی ہے میرے سر پہ یا الٰہی

آمدن مادر و پدر سسی در تلاش و گفتن ایشاں سخناں تسلّی آمیز بہ وے ۸۰

ے پدر مادر جگر خستہ دل افگار تجسّس کرتے آئے دونوں اک بار

سسی کے ماں باپ ایک بار پھر اسے تسلّی دینے کے لیے آئے، اسے سمجھانے بجھانے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔ یہ سات اشعار ہیں۔ ان سے کوئی بھرپور تاثر پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ اس قبیل کے اشعار بھرپور انداز میں اس سے قبل کہے جا چکے ہیں لہٰذا ان اشعار کی چنداں ضرورت نہیں تھی صرف پہلا شعر کہہ دینا کافی تھا۔

در بیان آمدن شخصے سیاح نزد سسی و خبر دادن پنوں بوی کید رفلاں شہر سکونت دارد ۸۱

آمدن شخصے غریب نزد در سسی و خیر دادن بوی کہ پنوں در فلاں ملک سکونت دارد ۸۲

ے کہ ناگاہ اس میں واں اک شخص آیا وہ گویا مرگ کا پیغام لایا

ے کیا مذکور یہ آتے ہے ناگاہ کہ میں مسکن سے ہوں پنوں کے آگاہ

دیارِ سندھ ۸۳ میں ہے جلوہ گر وہ ۸۴ ملا جو چاہے سو جاوے ادھر کو

جب سسی کو ایک اجنبی کے بتانے پر یہ معلوم ہوا کہ پنوں سندھ ۸۵ میں رہتا ہے اور اسے اس کا مسکن بھی معلوم ہوا۔ قاصد کے قربان ہو ہو کر خوش ہوتی ہے کہ اس نے ایسی اچھی خبر سنائی کہ اس کی جان میں جان آئی ہے وہ قاصد سے یہ بھی معلوم کرتی ہے کہ پنوں تجھے کیوں کر ملا تھا تو اس کے ملنے کا مذکور بار بار مجھ سے بیان کر۔ پھر اپنے ماں باپ سے وہ کہتی ہے کہ اب اسے یہاں سے جلد از جلد روانہ کر دو تا کہ وہ اپنے محبوب سے جتنی جلد ہو سکے ملاقات کرے۔ اس کے ماں باپ اب اس کو پنوں کے پاس بھیجنے کا ارادہ کر لیتے ہیں وہ اسے جلد چند افراد کے ساتھ روانہ کر کے خود روتے پیٹتے واپس آ جاتے ہیں۔

رفتن سسی بدیارِ پنوں و باز ندہ بدیار خود ہلاک کشتن عاشق و معشوق و زن پنوں ۸۶

در بیان رفتن سسّے بائید وصال بطرف بلدہ سندھ پنوں در آنجا مسکن داشت ۸۷

ے وہ سرگرمِ رہ دشت فنا تھی اجل تھی داہنے بائیں قضا تھی

ے دلے اس بے خبر کو کیا خبر تھی طبیعت تھی جدھر اس کی اُدھر تھی

یہ کہتی تھی کہ اب جا کر ملوں گی گلی دیکھوں تو کیا کیا کچھ کروں گی

یہ سچ ہے درد کو کیا جانے بے درد نہیں ہوتے کسی کے بے وفا مرد

مجھے تو تم نے دیوانہ بنایا اور اپنا جا کسی سے دل لگایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو پھر یہ سن کے وہ کھاوے گا قسمیں   کہے گا میں بھی تھا گویا قفس میں

سسی کو پنوں سے ملنے جانے کا منظر درپیش ہے۔ اب ایک محبوبہ کے دل میں جو خیالات آ رہے ہیں وہ حسن وعشق کی نفسیات کے مطابق ہیں۔ کیوں کہ جب راہیں کٹھن ہوتی ہیں تو ان کو آسان کرنے کے لیے تصوّرات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ محبت خان نے اس موقع پر سسی کے خیالات اور سوچیں نظم کی ہیں اس سلسلے کے اشعار حقیقت کا رنگ لیے ہوئے ہیں اور شاعر کی قدرت بیان اور وسیع الفسانی مطالعے کے شاہد ہیں۔

''رسیدن سسی در شہر یکہ پنوں در آں شہر مسکنے داشت وفرود آمدنش در محلّہ وفرستادن انگشتری خود بسوی پنوں بطریق شان وشنیدن خبر شادی وی وہلاک گشتن سستے دراں غم'' ۸۸

در بیان رسیدن سسی در شہر یکہ پنوں مسکن داشت وفرود آمدن در محلّہ وفرستادن انگشتری خود بسوی پنوں بطریق نشانے یعنی برائی یادداشت۔

اس عنوان سے داستان کا وہ حصّہ شروع ہوتا ہے جس میں سسی پنوں کے شہر میں پہنچ جاتی ہے اور اپنی انگوٹھی نشانی کے طور پر بھیجتی ہے، پنوں کو نشانی ملتی ہے سسّی کی نشانی اس وقت پنوں کو ملتی جب وہ شادی کی خوشیوں میں مگن ہوتا ہے۔

؎ جہاں بزمِ طرب سے تھا وہ مالوف   سرور عشرتِ شادی میں مصروف

اس دوران جب کہ سسّی پنوں کو نشانی بھیج کر جواب کا انتظار کرتی ہے کہ ایک شخص آتا ہے اور سسّی کو یہ غم اندوہ خبر سناتا ہے۔

؎ یہ قصہ یاں سے یوں میں نے سنا ہے ۸۹   عزیزو کیا کہوں مرنے کی جا ہے

؎ یہ بات ایک شخص نے اس کو سنادی   مقرّر آج ہے پنوں کی شادی

اور ساتھ ہی ساتھ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ جس عورت سے پنوں کی شادی ہو رہی ہے اس کی ہم قوم ہے اور حسنِ خداداد رکھتی ہے، سسّی کا یہ سننا ہوتا ہے، اور وہ سرد آہ کھینچ کر دنیا سے سدھار گئی۔ محبت خان کو خود اس بات کا احساس ہو گیا کہ اب مثنوی طویل ہو چلی ہے اور جبکہ سندھی پلاٹ میں ان باتوں کے علاوہ کئی باتوں کا ذکر ہے جن کا علم محبت خان کو نہیں ہوا اور نہ وہ اس میں ان کا ذکر بھی ضرور کرتے۔

در بیان ہلاک شدن پنوں از دیدن لاش سسّی ہلاک شدہ ۹۰

ہلاک کشتن پنوں از مردہ دیدن سسّی معشوق ۹۱

جب پنوں کو سسّی کی نشانی یعنی انگوٹھی ملی تو وہ بیتاب ہو کر سسی سے بہرِ ملاقات روانہ ہوا اور جب وہ اپنی محبوبہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے گرد کھڑے ہیں اور اس کی لاش پر نوحہ کناں ہیں، وہ یہ کربناک منظر دیکھ کر دیوانہ وار اس کی جانب بڑھا اور اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

؎ قلق ایسا ہوا اک بار اس کو   کہ دم لینا بھی تھا دشوار اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اپنے سر کو دھر اسکے قدم پر — لگا قربان ہونے اس صنم پر
لگا پاؤں کو آنکھوں سے لگانے — لگا بیتاب ہو کر تلملانے
کبھی تھا نوحہ گر با دیدہ تر — کبھی وہ پیٹتا تھا سینہ و سر
کبھی کہتا تھا وہ رو رو کے یہ بات ۹۲ — نہ دیکھی ٹک بھی میری راہ ہیہات
ہزار افسوس کی یہ کیا خرابی — کوئی ایسی بھی کرتا ہے شتابی
یہ تڑپا وہ کہ اس کا بھی گیا جی — فدائے راہِ جاناں ہو گیا جی
نہ دونوں نے کہی آپس میں کچھ بات — رہی موقوف محشر پر ملاقات
ہوئے خرم نہ با ہم عیش کرکے — وصال ان کا ہوا تو آہ کرکے

محبت خان کا زور اس بات پر ہے کہ جس انداز سے دونوں کی موت واقع ہوئی وہ افسوس ناک تھی، اس داستان ''اسرارِ محبت'' کے پلاٹ میں جس انداز سے دونوں کی موت واقع ہوئی ہے وہ سندھی پلاٹ سے مختلف ہے ۹۳ ''سسّی پنوں'' کے عیش وعشرت کا بازار اس داستان کے مطابق ایک مرتبہ تو گرم ہو چکا اور اب محبت خان کے مطابق مرنے سے پہلے ایک موقع اور فراہم ہوتا۔

وفات یافتن زن پنوں از سمع واقع جانکاہ شوہر خود

پنوں کی شادی جس خوب صورت عورت سے انجام پا چکی تھی، اس نے جب یہ سنا کہ پنوں نے اپنی محبوبہ سسی کے قدموں پر جان نچھاور کردی تو اس نے بھی ایک سرد آہ کھینچی اور وہ بھی اس دارِفانی سے کُوچ کر گئی اس نے عاشقوں کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا۔

وہ مصروفِ طرب مہر زری پوش — مئے عشرت سے جو تھی مست و مدہوش
سنا جو یہ بروز کتخدائی ۹۴ — کہ جاکر جان نوشہ نے گنوائی
غرض پہلے تو کچھ کچھ سوچ کرکے — رہی خاموش سر زانو پہ دھر کے
پھر ایسی دل سے کھینچی آہِ پُر درد — کہ بس سر تا بپا وہ ہوگئی سرد
محبت کے جو کچھ سمجھی وہ عنواں — خدا کے عاشقوں پر اس نے دی جاں

جس طرح ''اسرارِ محبت'' کی ابتدا ہوئی تھی، اسی طرح محبت خان نے ''محبت'' کے عنوان سے اشعار داستان کے اختتام پر پیش کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ محبت کی تباہ کاریاں طالب و مطلوب دونوں کے لیے یکساں ہیں۔

محبت ہے محبت کا یہ اسلوب — نہ طالب اس سے بچتا ہے نہ مطلوب
محبت صدمۂ محشر کی آفت — محبت ہی سے ہو جاوے قیامت
سو کر کے نظم یہ کارِ محبت ۹۵ — رکھا نام اس کا اسرارِ محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توقّع ہے کہ جو اہلِ نظر ہو محبت سے کرے اس پر نظر وہ
کہی تاریخ یہ اس کی بہ صنعت ''عجب قصہ ہے اسرارِ محبت'' ۱۱۹۷ھ

''اسرارِ محبت'' کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس مثنوی میں بھرتی کے اشعار ہیں لیکن ان کی تعداد قلیل ہے، دوسری بات یہ کہ محبت کے سامنے ''سسّی پنوں'' کی داستان کے جزئی واقعات نہیں تھے جو سندھ اور بلوچستان میں مروج داستانوں میں ہیں۔ انھوں نے سنے سنائے قصّے کو نظم کر دیا لیکن اس کے باوجود ۱۵۹۲ اشعار کی مثنوی تیار ہوگئی۔

ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیب کے مطابق:۔

''محبت خان کے قصّے میں تسلسل پیدا کرنے کے لیے ایک واقعہ سے دوسرے واقعے کی طرف شعروں کے ذریعے گریز کیا ہے اور بس'۔ وہ اس موڑ کے لیے یا واقعہ کے لیے کوئی پس منظر تیار نہیں کرتے یہی سبب ہے کہ کہانی سپاٹ معلوم ہوتی ہے اور قاری نفسِ قصّہ سے بالکل لطف اندوز نہیں ہوتا۔ درحقیقت محبت خان کے پیشِ نظر سسّی پنوں کے قصّے کی روایت تھی جو عوام میں مشہور تھی اور اس تشنہ روایت پر انہوں نے مثنوی تعمیر کر دی ہے۔''

عنوانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر۔ پنجابی قصّے کا پلاٹ تھا۔'' اور یہ پلاٹ بھی سنے سنائے قصّے پر تعمیر کیا گیا تھا کیوں کہ اصل داستان پنجاب سے تعلّق نہیں رکھتی۔

ڈاکٹر لطیف ادیب کی رائے سے متفق نہ ہونے کا کوئی جواز نہیں، یہ حقیقت ہے کہ قصّہ کا پلاٹ سنی سنائی کہانی پر قائم کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ''اسرارِ محبت'' کے علاوہ شاید ہی اس کہانی کو کسی اور نے اس غلط انداز سے پیش کیا ہوگا کہ پنوں شادی کر رہا ہے اور اچانک سسی اس جگہ پہنچ جاتی ہے اور جب وہ اپنی نئی نویلی دلھن کو چھوڑ کر اس کے پاس جاتا ہے تو اسے مردہ حالت میں پاتا ہے۔

ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے اسی مثنوی پر تبصرہ کرتے ہوئے ''اسرارِ محبت'' کے تین حصّے کیے ہیں:۔

۱۔ سسی کا سراپا ۲۔ پنوں کا سراپا ۳۔ وارداتِ عشق اور اس کا نفسیاتی پس منظر ہم اس میں ایک اضافہ اور کرتے ہیں، وہ ہے ''منظر کشی'' دونوں کے سراپے اور وارداتِ عشق کا نفسیاتی پس منظر بیان کرنے میں محبت خاں نے زورِ قلم صرف کیا ہے لیکن اس مثنوی میں منظر کشی کو بھی شامل کرنا ہوگا۔ ''در تعریف باغ میگوید'' کے عنوان سے محبت خاں نے قلم کی خوب جولانی دکھائی ہے، سسی کے سراپے پر سڑسٹھ اشعار پیش کیے ہیں۔ سسی کے حسن اور اوصاف کے بیان میں زورِ بیان موجود ہے موئے سر سے لے کر وصفِ نہاں اور پائے نگاراں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ ان اشعار میں سلاست روانی موجود ہے اشعار میں اثر آفرینی اس قدر موجود ہے کہ شاید ہی کسی مثنوی میں ملے۔ دوسری جانب سسی کے مقابلے میں پنوں کا سراپا مختصر ہے۔ مثنوی کا تیسرا حصّہ جو وارداتِ حسن و عشق اور اس کے نفسیاتی پس منظر سے موسوم کیا گیا ہے، سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے اور یہی فن کی معراج ہے۔ وارداتِ حسن کو بیان کرنے میں میر کو معراج حاصل تھی اور وہی اس میدان کے شہ سوار سمجھے جاتے تھے لیکن محبت خاں نے اس مثنوی کو عشق و محبت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وارداتِ قلبی اور احساسات کا نفسیاتی پہلو اجاگر کیا ہے وہ میر کی مثنوی میں اس انداز سے نہیں ملے گا۔ جو احساسات اور خدشات، خوش فہمیاں، سسی اپنے تصوّرات وخیالات کے ذریعے ظاہر کرتی ہے وہ عشق ومحبت کی نفسیات سے بہت قریب ہیں، مثلاً جب ''سسی'' پنوں کے پاس جانے کے لیے سفر کر رہی ہے اور اس وقت وہ یہ کہتی ہے کہ اب ملوں گی تو پہلے اس سے بات نہیں کروں گی اور پھر اس طرح شکوہ کروں گی اس کی بے وفائیوں اور بے توجّہی کو یاد دلاؤں گی وغیرہ۔ وارداتِ عشق کے بیان میں فراق ووصال کے اظہار میں شاعر کی روح کو بھی محسوس کر لیا جاتا ہے کی وہ خود کس حد تک اس میں ذاتی طور پر ملوّث ہو گیا ہے۔ عشق ومحبت اور وارداتِ قلبی کی جولانی میں اگر محبت خاں کام یاب نہ ہوتے تو مثنوی قابلِ ذکر توجہ کی مستحق نہ ہوتی۔

اس کے بعد مثنوی میں جو تھا حصّہ منظر کشی کا ہے ''باغ کی تعریف ہو، سسی کا سراپا ہو یا پنوں کا، وصال کا منظر ہو، سسی کا غمِ فراق میں تڑپنا ہو، سسی کا پنوں کے ملک کو روانہ ہونا ہو، یہ سب عنوانات منظر کشی سے خالی نہیں۔ کرداروں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھرتی نظر آتی ہیں، اسی منظر کشی کے لیے کہیں کہیں اشعار میں اضافہ کرنا پڑا ہے۔ شروع میں کسی بھی عنوان کے بیان میں جتنی طوالت اختیار کی گئی ہے آخر میں یعنی مثنوی کے اختتام پر اتنا ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ زمانہ دراصل مثنوی کا زمانہ نہیں تھا۔ شمالی ہند میں محبت خان سے قبل صرف میر تقی میر کی چودہ پندرہ مثنویاں ہیں البتہ دکّن کا دبستانِ ادب مثنویات سے مالا مال تھا۔ اسرارِ محبت کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ محبت خان کے سامنے میر کی مثنویوں کے علاوہ دبستانِ دکّن کی مثنویاں بھی رہی ہوں گی کیوں کہ کہیں کہیں وہی رنگ اور وہی زبان نظر آتی ہے جو دکّن کی زبان ہے لیکن زیادہ اثر دلّی اور لکھنؤ کا غالب ہوتا گیا۔ دراصل اس مثنوی پر کسی ایک دبستان کی چھاپ نہیں لگا سکتے، پس سسی کے سراپا کے عنوان سے محبت خاں نے خوب فائدہ اٹھایا کیوں کہ عنوان ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ انھیں لکھنؤ کے دبستان کی نمائندگی کرنے کا پورا پورا موقع فراہم ہو گیا۔

مجنوں گورکھپوری مثنوی ''اسرارِ محبت'' پر تبصرہ فرماتے ہوئے ''تنقیدی حاشیے'' میں رقم طراز ہیں:۔

> ''شاعری میں اس وقت لکھنؤ کی بے اعتدالیاں شروع ہو گئی تھیں، محبت کی بھی مثنوی میں اس کے جابجا اثرات ملتے ہیں۔''

ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیب فرماتے ہیں:

> ''۱۱۹۷ھ میں اس سے بہتر مثنوی ان کے امکان سے خارج تھی، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ میر نے جہاں اپنی مثنویات کو چھوڑا تھا وہاں سے محبت خان نے انھیں آگے بڑھایا جن وارداتِ عشق میں موضوعی کیفیت تھی وہ پھیل کر معروضی بنی۔ رنگا رنگ نفسی کیفیات کا اضافہ ہوا۔ اختصار کی جگہ طوالت نے لی اور مثنوی میں ایک آغاز اور انجام کا شعور پیدا ہوا۔ اردو زبان کا بھی یہ ارتقائی زمانہ تھا، فارسیت کا غلبہ شدید تھا۔ زبان میں تکلّف اور تصنّع کے رجحان پیدا ہو چکے تھے۔ شیریں بیانی مفقود ہوتی جا رہی تھی۔ میر تقی میر اس زمانے میں ایک ستون ایک دیوار ہیں ان کے مترنّم شیریں اور پُر اثر کلام نے اردو زبان میں حلاوت بھر دی اور کتنے ہی شاعروں کو فارسی کا اتباع کرنے کے باوجود نامانوس اور ناہموار ہونے سے بچا لیا۔ میرے خیال میں وہ تمام شاعر جن کی تخلیقی قوت بے پناہ تھی، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نازک طبع تھے، قناعت پسند تھے یا مختصر الفاظ میں جن کی شخصیت ایک زندہ فنکار کی شخصیت تھی، میر سے متاثر ہوئے کیونکہ انکی شاعری ان کی بلند شخصیت میں ڈوب کر نکلی تھی، ان کے فنّی خلوص کا مظاہرہ تھی، پیشہ اور گداگری نہیں تھی شاید اس سے کوئی بھی انکار نہ کر سکے گا کہ محبت خاں محبت پر میر تقی میر کی چھاپ پڑی تھی۔ انھوں نے جس زبان کو اپنایا وہ میر کی زبان تھی اور اپنے ہم عصروں کے ان رجحانات سے گریز کیا جو دبستانِ لکھنؤ کی تقلید کر رہے تھے، وہ میر کو وارداتِ قلب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اثر انگیزی کو مقدّم جانتے ہیں اور تکلّف و تصنّع کے بجائے خلوص اور سادگی کو اپناتے ہیں محبت خان کی زبان اپنے زمانے کی فصیح اور نمائندہ زبان تھی۔''۹۶

مندرجہ بالا تحریر پڑھنے کے بعد محبت خاں محبت کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا بھرپور تاثر ابھرتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ زیرِ بحث مثنوی ''اسرارِ محبت'' پر تبصرہ کرتے کرتے محبت خاں کے اردو دیوان کی جانب نکل گئے حالانکہ اسی تبصرے کی ابتدا میں وہ اس مثنوی کی زبان کو دکّن کی زبان قرار دیتے ہیں۔

مثنوی ''سحر البیان'' کے شاعر نے ''اسرارِ محبت'' سے ضرور کسبِ فیض کیا ہوگا۔ جہاں میر حسن کی سحر البیان میں معاشرتی خاکے، منظر نگاری، نفسیاتی ژرف بینی منظر نگاری اور عشق و محبت کی باریکیوں نے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ محبت خان نے ایک مشّاق شاعر کی طرح الفاظ کو نگینوں کی طرح جڑ کر بیش بہا بنا دیا ہے، کسی کسی عنوان میں اشعار کی کثرت مثنوی کو بے جا طوالت کی جانب لے جاتی ہے اور بعض اشعار یقیناً بھرتی کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ اس مثنوی میں جمالیاتی شعور بھی ملتا ہے۔ بعض اشعار میں بلاغت، معنی آفرینی، تشبیہات، انتقال ذہنی کی ایمائی کیفیت محبت خان کے فن کی پختگی کو ظاہر کرتی ہے۔

مثنوی کی ایک اور خصوصیت واقعہ نگاری ہے، واقعہ کا بیان اس طرح ہونا چاہیے کہ نظر کے سامنے تصویر پھر جائے ۹۷ اور جس عہد میں داستان لکھی گئی ہو اور جس علاقے سے اس کا تعلّق ہو وہاں کی طرزِ معاشرت، بول چال اور رسم و رواج مثنوی سے عیاں ہوں۔ ''اسرارِ محبت'' سے اس زمانے کی بول چال کا پہلو تو سامنے آتا ہے لیکن خود محبت خان کو بھی اس افسانے کی سرزمین کا پوری طرح یقین نہ تھا لہٰذا وہ اس علاقے کے رسم و رواج اور طرزِ معاشرت کو اپنی مثنوی میں پیش نہیں کر سکے۔

ڈاکٹر نسیم احمد نے مثنوی ''اسرارِ محبت'' کو مرتب کیا اور انجمن ترقی اردو دہلی سے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم اس مثنوی کے بارے میں (حرف آغاز) میں لکھتے ہیں کہ ''نسیم صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، اور انجمن ترقی اردو کے مخطوطات کی مدد سے یہ متن مُرتب کیا ہے۔ مقدمے کے شروع میں نواب محبت خان کی مختصر سوانح پیش کی ہے'' وہ مزید رقم طراز ہیں کہ ''مقدمے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیجا طوالت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ محبت خان اور مثنوی کے متن کے بارے میں جو اہم معلومات فراہم کی جانی چاہیے تھیں وہ انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں۔'''' آخر میں متنی تنقید کے اہم اُصول کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ ڈاکٹر نسیم نے بیتِ السلطنت لکھنؤ سے شائع ہونے والے نسخے کے متن سے بھی اختلافاتِ نسخ پیش کیے ہیں۔ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس نسخے کے بارے ان کا قول ہے کہ ''جہاں تک صحتِ متن و املا کا تعلق ہے اُسے غلط نویسی کا ایک مثالی نمونہ اور کسی محرف قلمی نسخے کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔'''' کیا اس صورت میں اختلافاتِ نسخ درج کرنے میں اس نسخے کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔''۹۸

ڈاکٹر نسیم نے اس مثنوی کے مقدمے میں محبت خان کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ ایک اندازے کے مطابق ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۰ء میں بریلی میں پیدا ہوئے لیکن انھوں نے کوئی حوالہ یا سند نہیں دی ہے جب کہ حافظ رحمت خان ایک مرتبہ نواب علی محمد (متبنیٰ داؤد خان) کے دور میں کھٹیر میں آئے تھے اور تقریباً تین سال نواب علی محمد خان کے مہمان رہے اور پھر اجازت لے کر شہامت پور واپس آ گئے اور اپنے وطن میں اپنے چچازاد بھائی ملک شادی خان ابنِ شہزاد خان کی بیٹی سے شادی کی نواب علی محمد خان سے حافظ صاحب کی جدائی برداشت نہ ہوئی، اور انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اکثر روہیلے متبنیٰ ہونے کے ناطے اُن کی اطاعت سے دریغ کرتے ہیں اس لیے انھوں نے حافظ رحمت خان کو پشاور کے علاقے روہ کے گاؤں شہامت پور سے دوبارہ بلایا اور حافظ رحمت خان آنولہ میں وارد ہوئے آنولہ میں آنے کی تاریخ کے بارے میں کوئی مستند حوالہ نہیں مل سکا ہے۔ لہٰذا ہمیں ''سفینۂ ہندی'' مصنف بھگوان داس المتخلص بہ ہندی اس تحریر کو جو ہم گزشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں زیادہ معتبر سمجھتے ہیں کیوں کہ بھگوان داس کی تحریر سے ظاہر ہے کہ وہ محبت خان کے ہم عصر ہیں فرماتے ہیں:

> ''خلف نواب حافظ الملک حافظ رحمت خان بہادر مرحوم اند کہ مالک بریلی وغیرہ بودند تولد خود ایشان دراں ملک روہ نمودہ۔۔۔۔۔۔۔۔با مؤلف ربطِ دوستی دارند''

اس تحریر میں انھوں نے محبت کے دولت کدے پر مشاعرے منعقد ہونے کا بھی ذکر کیا ہے اور محبت خان نہ صرف اردو بلکہ فارسی کا شاعر بیان کر کے فارسی کے چند اشعار بطور نمونہ بھی پیش کیے ہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محبت خان ۱۷۵۰ء میں پشاور (روہ) میں ہوئے اور اپنے بچپن کے زمانے میں بریلی آنولہ میں اپنے دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ پہنچے۔

ڈاکٹر نسیم نے، اسرارِ محبت کے کُل چھے نسخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے دو مطبوعہ نسخے بتائے گئے ہیں۔ مختلف مثنویوں کے تعارف میں آپ نے انھیں حصّہ اوّل و دوم میں منقسم کیا ہے پہلے حصے میں ان مثنویوں کا ذکر ہے جن سے آپ براہِ راست بوجوہ استفادہ نہیں کر سکے۔ دوسرے حصّے میں انھوں نے ایسی مثنویوں کا ذکر کیا ہے جن سے براہِ راست مدد لے کر ''اسرارِ محبت'' کی تدوین کی ہے۔

(حصّہ اوّل)

(۱) قلمی نسخے ۹۹

نسخۂ رام پور۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کی فراہم کردہ معلومات کے تحت یہ نسخہ تمہید و ترقیمہ سے خالی ہے۔ مخطوطہ اچھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالت میں ہے۔ کتابت کے وقت عنوانات کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ یہ نسخہ دریائے عشق، بکٹ کہانی، مثنوی لطف، مثنوی انور، قصہ سوداگر بچہ اور بارہ ماسہ کے ساتھ مجلّد ہے۔ لیکن کتب خانے کے اندراج کے مطابق پوری جلد اسرارِ محبت کے نام سے موسوم ہے۔

(۲) نسخۂ عقیل ۱۰۰؎

یہ نسخہ پروفیسر عقیل رضوی کے پاس ۱۹۹۰ء کے آس پاس تھا ڈاکٹر نسیم نے جب پروفیسر موصوف سے اس نسخے کے بارے میں استفسار کیا تو عقیل صاحب کے مطابق وہ ضائع ہو چکا تھا۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون، نگار کے لکھنؤ اپریل ۱۹۵۰ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا ماخذ آپ ہی کا ایک تحقیقی مضمون ''اردو مثنوی کا ارتقاء شمالی ہند ہے'' جس کے مطابق یہ قلمی نسخہ ۱۸۳۳ء کا لکھا ہوا ہے اور کرم خوردہ ہے۔ اس میں ۱۵۸۸ اشعار ہیں۔

(۳) نسخۂ حیدر آباد ۱۰۱؎

ڈاکٹر نسیم صاحب اس سے استفادہ نہیں کر سکے

(۴) نسخۂ حسرت موہانی (مطبوعہ) ۱۰۲؎

حسرت (البتہ راقم کے سامنے یہ نسخہ ہے) اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخے سے اسے نقل کیا گیا ہے جبکہ کتابت میں اختلاف ہے اسے تبصرے کے دوران راقم نے ظاہر کر دیا ہے۔ پروفیسر مجنوں گورکھپوری نے اس نسخے کو سامنے رکھ کر مثنوی اسرارِ محبت مشمولہ تنقیدی حاشیے مطبوعہ ۱۹۴۵ء اور نکاتِ مجنوں مطبوعہ ۱۹۵۷ء تحریر کیا ہے۔ حسرت نے ''مجموعہ'' کے نام سے تین مثنویوں کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ پہلی سراپا سوز جو ملک الشعرا قاضی محمد صادق خاں اختر کی، دوسری ہے ''اسرارِ محبت'' اور تیسری مثنوی آغا علی شمس لکھنوی کی ''طلعت الشمس'' ہے۔

(حصّہ دوم)

(۱) نسخۂ لاہور ۱۰۳؎

مثنوی ''اسرارِ محبت'' کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر نسیم نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حاصل کر لی تھی۔ مخطوطہ کا نمبر ۱۸۷/۴۱ صفحات ۶۹ مسطر سترہ سطری ہے۔ خط نستعلیق اوسط، نام کاتب ندارد، سن کتابت ۱۲۶۸ھ۔ مخطوطہ مکمل اور اچھی حالت میں ہے۔

ابتدا۔ محبت نام اور ہر دل نگیں ہے ۔۔۔ محبت سے کوئی خالی نہیں ہے
اختتام۔ کہی تاریخ یہ اس کی بہ صنعت ۔۔۔ عجب قصہ ہے اسرارِ محبت

خاتمہ پر ترقیمہ:

تمت تمام شدہ بتاریخ بست و دویم شہر ذی حج سن ہزار دو صد ہجری، مقدمہ علی صاحب صلواۃ وسلام، املا میں قدیم طرز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جدید طرز نگارش کا امتزاج ملتا ہے۔ مثلاً:

(الف) اچنبا۔ اچھنبھا۔ مجکو۔ مجھ کو، دونو۔ دونوں، تڑہ پ۔ تڑپ بعض جگہ تڑپ بھی ہے۔ مونہہ۔ منہ، اوس۔ اس، اودھر۔ اُدھر وغیرہ لیکن ڈھونڈھ اور تھنبا کو جدید املا کے مطابق ڈھونڈ اور تھما لکھا گیا ہے۔

(ب) ک اور گ میں کوئی فرق نہیں ہے

(ج) ہائے معروف و مجہول میں امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔

(د) وہاں۔ یہاں ، واں، یاں

(ہ) ت ، تھ ، ٹ ، ٹھ

اغلاطِ کتابت

مثلاً بحر کو بہر، منسوب کو منصوب اور نتھ کو نتٹھ لکھا ہے۔

تحریفات کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ گرم رفتار کو، نرم رفتار۔ بیتابی کو بے خوابی، ہنستے ہی کو سنتے ہی۔

نسخۂ کلکتہ ۱۰۴

محبت خان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے اس کے آخر میں مثنوی ''اسرارِ محبت'' بھی شامل ہے ۔ڈاکٹر نسیم نے اس کا فوٹو اسٹیٹ اپنے سامنے رکھ کر چند وضاحتیں کی ہیں۔ مخطوطہ نمبر یو ۵۱ (U51) صفحات ۴۲ سط ۱۵ سطری، خط نستعلیق اوراق سالم، نام کاتب اور سن کتابت ندارد قیاساً محبت خان کی وفات کے بعد کا تحریر شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نسیم کے مطابق متن کافی حد تک اعتبار کے قابل ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتدا اور خاتمہ تاریخی مصرعے پر ہے۔ املا میں جدید اور قدیم کا امتزاج ملتا ہے مثلاً الف، تڑپھ۔ تڑپ ،لوہو۔ لہو، اودھر۔ اُدھر، اوس۔ اس، آپہی ، آپ ہی، اور ملایا۔ رلایا۔ معکوسی حرف ''ٹ'' پر کہیں چار نقطے لگا دیے گئے ہیں اور کہیں دو نقطوں پر ''ط'' لکھ دی گئی ہے۔ بعض جگہ صرف ''ط'' لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معکوسی حرف ''ڑ'' پر امتزاج کے ساتھ ''ط'' کا نشان بنایا گیا ہے۔ (ج) ہائے معروف اور یائے مجہول کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یاں، واں کی بجائے یہاں، وہاں لکھا گیا ہے۔ نسخے کا متن ایک حد تک نسخۂ لاہور سے مماثل ہے البتہ مخطوطہ املا کی غلطیوں سے پاک ہے۔

نسخۂ کراچی ۱۰۵

مثنوی کا یہ نسخہ ''اسرارِ محبت'' کے نام سے، خط نستعلیق، اوراق کہیں کہیں سے کرم خوردہ ہیں قرأت میں دشواری نہیں ہوتی۔ نام کاتب لالہ مٹکا رام، سن کتابت ۱۲۴۴ھ ''یا فتاح'' رب یسّر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور ''تمت بالخیر'' کی سرخیوں کے بعد درحمد باری تعالیٰ کے عنوان سے مثنوی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس مصرع ''محبت نام اور ہر دل نگیں ہے'' سے اور اس کا اختتام تاریخی مصرع ''عجب قصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ''اسرارِ محبت'' پر ہوتا ہے۔ مثنوی کے آخر میں مندرجہ ذیل مفصل ترقیمہ مع دومہروں کے موجود ہے۔

''تمت تمام شد مثنوی ۱۰۶ انواب محبت خان ولد حافظ رحمت خان در قصہ سسّی پنوفی التاریخ دوم شہر شوال ۱۰۷ بروز چہارم شنبہ بوقت چاشت بدستخط حقیر پُر تقصیر لالہ مٹکا رام ولد ڈال چند مرقوم ساکن اصالت پور جاری پرگنہ مصاف صوبہ دار الخلافہ۔ شاہجہاں آباد ۱۲۴۴ھ برائے خاطر داشت اخوندزادہ خود قلمی شد فقط۔''

قاریا بر من مکن چندیں عتاب گر خطائے رفتہ باشد در کتاب
آں خطائے رفتہ را تصحیح کن از کرم واللہ عالم بالصواب (کذا)

آخر میں کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو، کراچی کی مہر کے علاوہ کتب خانہ مولوی عبدالحق کی مہر ہے اور یہ مہر ص ۱۰۹ پر بھی ہے۔ مثنوی پر تبصرے کے دوران راقم کے پیش نظر بھی یہی خطی نسخہ ہے اور اس کے بعد حسرت موہانی کا شائع کردہ نسخہ ''اسرارِ محبت'' ہے اور ڈاکٹر نسیم کا مرتب کردہ نسخہ بھی سامنے ہے ان تینوں تحریروں کی مدد سے راقم نے اس مثنوی پر تبصرہ کیا ہے اور ان تینوں کے اختلاف نسخے میں پیش کر دیے ہیں املا کی خصوصیات کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے ہم ان سے اتفاق کرتے ہیں یعنی ایدھر، ادھر۔ اُدودھر۔ اُدھر، دیوانا۔ دوانا، دیکھانا۔ دکھانا، بیگانہ۔ بگانہ، بھولانا۔ بھلانا، اوس۔ اس ،اون۔ اُن البتہ پانو، تڑپھ، تھانب کو قدیم املا کے برعکس پاؤں، نپٹ، تڑپ اور تھام لکھا گیا ہے۔

نسخہ مطبوعہ = مط

اسرارِ محبت کا یہ نسخہ مطبع بیت السلطنت لکھنؤ سے طبع ہوا ہے ایک عام بازاری ایڈیشن ہے اس کسی مطبع کے کسی ذمہ دار شخص کا نام بھی نہیں ہے مصنف اور سال جیسے ضروری امور کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ سرورق پر صرف یہ تحریر ہے۔

المنتہ اللہ کہ قصہ سسی پنو مسمّٰی بہ ''مثنوی اسرارِ محبت با تمام رسید''

ڈاکٹر نسیم نے اس کے بارے میں یہ رائے دی ہے۔

''جہاں تک صحتِ متن و املا کا تعلق ہے اسے غلط نویسی کا ایک مثالی نمونہ اور کسی محرف قلمی نسخے کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔''

ڈاکٹر نسیم کے یہی وہ الفاظ ہیں، جن کی گرفت خلیق انجم نے کی ہے۔

املا کی خصوصیات

(الف) اودھر۔ اُدھر، اوس۔ اُس، دیوانا۔ دوانہ، جسّے۔ جس سے، اوسّی۔ اس سے، دیکھانا۔ دکھانا، بھولایا، پھولایا۔ بھلایا۔ پھلایا، تھانب۔ تھام وغیرہ لیکن پانو، تڑپھ اور نپٹھ کو جدید املا میں پاؤں، تڑپ اور نپٹ لکھا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) نون غنہ پر التزام کے ساتھ نقطہ لگایا ہے۔

(ج) یائے معروف ومجہول میں امتیاز کر کے تذکیروتانیث کا فرق دور نہیں کیا گیا ہے۔

(د) ہاں، واں کی جگہ یہاں، وہاں

(ہ) دوچشمی (ھ) کی جگہ کہنی دار (یہہ) کیا گیا ہے۔ جیسے تہی۔ تھی پہر۔ پھر بعض جگہ لفظوں کی توڑ کر لکھا گیا ہے اٹھتی، کی بجائے اٹھ تی

(ز) گ پر دو مرکز لگا ہے۔ کر سے علاحدہ کر دیا گیا ہے۔

اغلاطِ کتابت

کتابت میں کاتب کی کم علمی کے نمونے ظاہر ہیں جیسے پونہچے۔ پہنچے، جھنک خلخال۔ جھنک خلخال، بہر۔ بحر، پیٹھا پیٹنا، انکڑیان۔ انکھڑیاں، جاتی۔ جاتیں وغیرہ۔

شرح

غالباً قاری کی آسانی کے لیے کاتب نے بعض لفظوں کے معنی کی شرح بھی کردی ہے۔ مثلاً مانی۔ مصور۔ زعم، گمان لکھ دیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر نسیم نے مثنوی کے مرتب کرتے وقت جو طریقے اختیار کیے ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔ جس کی مزید وضاحت ہم یہاں پر طوالت کا باعث سمجھتے ہوئے نظر انداز کرتے ہیں۔

اب رہا ڈاکٹر نسیم کی ''اسرارِ محبت'' کا متن، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور انجمن ترقی اردو کے مخطوطات کی مدد سے یہ متن مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے سامنے ۱۹ صفحات پر مشتمل ''اسرارِ محبت'' کا ایک نسخہ بیت السلطنت لکھنؤ بھی رہا ہے۔ لیکن ڈاکٹر نسیم نے کتابیات کی فہرست میں مخطوطات کے ضمن میں جو فہرست دی ہے ان میں اُن قلمی نسخے بھی شامل کر دیے ہیں، جن سے انھوں نے بلاواسطہ استفادہ نہیں کیا۔

مثنوی ''اسرارِ محبت'' کے قلمی نسخہ، مطبوعہ نسخہ لکھنؤ، اور ڈاکٹر نسیم کے ایڈٹ شدہ نسخے کے فرق کو واضح کرتے ہیں

نمبر شمار	قلمی نسخہ مثنوی اسرارِ محبت	مطبوعہ نسخہ لکھنؤ مثنوی اسرارِ محبت	ڈاکٹر نسیم کا ایڈٹ شدہ نسخہ ۱۰۸؎ مثنوی اسرارِ محبت
۱	محبت نام اور ہر دل نگیں ہے	محبت نام در دل ہر نگیں ہے	محبت نام اور ہر دل نگیں ہے
۲	محبت ظاہر اور باطن محبت	محبت باطن و ظاہر محبت	محبت باطن اور ظاہر محبت
۳	محبت ہی سے بھڑکے گلخن دل	محبت ہی سے برق خرمن دل	محبت ہی سے بھڑکے گلخن دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴	محبت سے ہر ایک ہو مست و مدہوش	محبت سے ہو ہر ایک مست و مدہوش	محبت سے ہر اک ہو مست و مدہوش
۵	محبت ہی کرے از خود فراموش	محبت ہی سے ہو از خود فراموش	محبت ہی کرے از خود فراموش
٦	محبت سے ہو پیدا ایک عالم	محبت ہی کرے رسوائے عالم	محبت ہی کرے رسوائے عالم
۷	محبت ہی سے ہو ٹکڑے دلِ گل	(غ) محبت ہی سے ہو فکر، دل گل	محبت ہی سے ہو ٹکڑے دلِ گل
۸	محبت غم جہاں کا سب بھلاوے	محبت غم دو عالم کا بھلاوے	محبت غم دو عالم کا بھلاوے
۹	محبت سے تن ِ پروانہ ہو خاک	محبت سے دل پروانہ ہو خاک	محبت سے تن ِ پروانہ ہو خاک
۱۰	محبت ہی دلوں میں سب کو دے درد	محبت ہی دلوں میں سب کے دے درد	محبت ہی دلوں میں سب کے دے درد
۱۱	نہ ہو جس کو محبت وہ ہے بے درد	نہ ہو جس کو محبت ہے وہ بے درد	نہ ہو جس کو محبت وہ ہے بے درد
۱۲	کِھلا ہے ایسا بستانِ محبت	پھلا ایسا ہے بستان محبت	کِھلا ایسا ہے بُستانِ محبت
۱۳	وہ زلف ان کی بہار سنبل عشق	وہ زلف اسکی بہار و سنبل عشق	وہ زلف اس کی بہارِ سنبل عشق
۱۴	اُنھیں کو عشق ہے اور عشق ہے، عشق	اُسی کو عشق ہے اور عشق ہے، عشق	اُسی کو عشق ہے اور عشق ہے، عشق
۱۵	ہر اصحاب ا نکا ہے پروانۂ عشق	ہر اصحاب اس کا ہے پروانۂ عشق	ہر اصحاب اس کا ہے پروانۂ عشق
۱٦	اسے ہے عشق جو نفسِ نبی ہے	اسی سے عشق جو نفس نبی ہے	اسے ہے عشق جو نفس نبی ہے
۱۷	بسے ہے یہ جہانِ عشق اسی سے	بسے ہے یہ جہانِ عشق اس سے	بسے ہے یہ جہانِ عشق اسی سے
۱۸	درخشاں اخترِ عشق ہے اسی سے	سے کِھلا ہے گلستانِ عشق اس سے	کِھلا ہے گلستانِ عشق اسی سے
۱۹	یہ آتش کب بجھے ہے لگ کے جان کو	یہ کب آتش بجھے ہے لگ کے جان کو	یہ آتش کب بجھے ہے لگ کے جان کو
۲۰	نہیں اس آگ سے خالی کوئی سنگ	نہیں اس آگ سے خالی دلِ سنگ	نہیں اس آگ سے خالی دلِ سنگ
۲۱	تو دم میں توتیا کر دے جلا کر	تو دم میں تو طیا۱۰۹ کر دے جلا کر	تو دم میں توتیا کر دے جلا کر
۲۲	اٹھے ہے دم بدم دریا سے بھی درد	اٹھے ہے دم بدم دریا سے بھی درد	اٹھے ہے دم بہ دم دریا سے بھی درد
۲۳	جلے ہے دہر اس آتش سے ہر روز	جلے ہے مہر اس آتش سے ہر روز	جلے ہے مہر اس آتش میں ہر روز
۲۴	کہ ہے جس کا نمونہ کورۂ نار	کہ ہے جس کا نمونہ کرۂ نار	کہ ہے جس کا نمونہ کرۂ نار
۲۵	رگِ لیلیٰ پہ جب نشتر لگایا	رگِ مجنوں پہ جب نشتر لگایا	رگِ مجنوں پہ جب نشتر لگایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶۔	وہیں مجنوں کا خوں جوشش میں آیا	وہیں لیلیٰ کا خوں جوشش میں میں آیا	وہیں لیلیٰ کا خوں جوشش میں آیا
۲۷۔	تبھی نام اس کا مستر جانسن ہے	سہی۱۱۰ نام اس کا مستر جانسن ہے	تبھی نام اس کا مستر جانسن ہے
۲۸	زبس تھی اس میں اور مجھ میں محبت	زبس ہے مجھ میں اور اس میں محبت	زبس ہے مجھ میں اور اس میں محبت
۲۹	بساوے وہ دلِ ویران بستی	بساوے وہ دلِ ویراں میں بستی	بساوے وہ دلِ ویراں میں بستی
۳۰	یہ ہے مشہور کر تو اس کو منظوم	یہ ہے منثور کر تو اس کو منظوم	یہ ہے منثور کر تو اس کو منظوم
۳۱	سو اُس کی رغبتِ دل کرکے معلوم	سو اُن کی رغبتِ دل کرکے معلوم	سو اُس کی رغبتِ دل کرکے معلوم
۳۲۔	نہ ہو خلقت میں جس کو عشق زنہار	نہ ہو خلقت میں جس کے عشق زنہار	نہ ہو خلقت میں جس کے عشق زنہار
۳۳	سوا دِش رنگ ہے اس کا نمایاں	سواداس رنگ ہے اسی کا نمایاں	سوادس رنگ ہے اس کا نمایاں
۳۴	عجب صورت کی وہ بستی ہے دل کش	عجب صورت کی بستی ہے وہ دل کش	عجب صورت کی وہ بستی ہے دل کش
۳۵	در و دیوار اس کا ہے منقش	کہ جس کو دیکھیے وھاں ہے پری وش	کہ جس کو دیکھیے وھاں ہے پری وش
۳۶	ہر ایک گھر خانۂ آئینہ رو یاں	ہر ایک گھر خانہ آنند رویاں	ہر ایک گھر خانۂ آئینہ رویاں
۳۷	نگہہ جس پر پڑے رہ جائے حیراں	نگہ جس کی پڑے رہ جائے حیراں	نگہ جس کی پڑے رہ جائے حیراں
۳۸	ولی باطن میں تھی الفت سے منسوب۱۱۱	وہاں باطن میں تھی الفت سے منسوب	ولے باطن میں تھی الفت سے منسوب
۳۹	ہوئی ہو عشق میں رانجھے کے ناشاد۱۱۲	ہوئی تھی عشق میں رانجھے کے ناشاد	موئی ہو عشق میں رانجھا کے ناشاد
۴۰	سراپا اچپلاہٹ میں تھی وہ غرق	سراسر اچبلاہٹ میں تھی یہ غرق	سراسر اچپلاہٹ میں تھی یہ غرق
۴۱	اُسی کی دیکھتی وہ آن شیریں	جواُس کی دیکھتی وہ آن شیریں	جو اُس کی دیکھتی وہ آن شیریں
۴۲	فدا شیریں تھی کرتی جان شیریں	فدا شیریں بھی کرتی جان شیریں	فدا شیریں بھی کرتی جانِ شیریں
۴۳	کہ جس کا نام تھا مشہور سسّی	کہ جس کا نام ہے مشہور سسّی	کہ جس کا نام ہے مشہور سسّی
۴۴	یہ خوں ریزی پہ تھی ابروئے پرخم	یہ خوں ریزی میں تھی ابروئے پرخم	پرخم یہ خوں ریزی پہ تھی آبروئے پرخم
۴۵	ہے اس کے آگے جام اک چشم بے نور	ہے ان کے آگے جام اک چشم بے نور	ہے ان کے آگے جام اک چشم بے نور
۴۶	نظر کافر وہ جس سے آکے لڑ جائے	نگہ کافر وہ جس سے آکے لڑ جائے چائے	نگہ کافر وہ جس سے آکے لڑ جائے
۴۷	کرے مژگاں جھپک کر کچھ وہ تقریر	کرے مژگاں جھپک کر کچھ جو تقریر	کرے مژگاں جھپک کر کچھ جو تقریر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸	وہ تنگیٔ دہن گر دیکھ پاوے	وہ تنگیٔ دہن کی گر دیکھ پاوے	وہ تنگیٔ دہن گر دیکھ پاوے
۴۹	جو دیکھیں آئنہ رو وہ زنخداں	جو دیکھے آئنہ رو وہ زنخداں	جو دیکھیں آئنہ رو وہ زنخداں
۵۰	جو میداں حسن کے سے لے گئیں گو	جو میداں حسن کے سے لے گئی گو	جو میداں حسَن کے سے لے گئیں گو
۵۱	کہ جو آئینہ میں دے منہ دکھائی	کہ جوں آئینہ میں دے منہ دکھائی	کہ جُوں آئینہ میں دے منہ دکھائی
۵۲	بکسرت شمع رو رو سر دھنے ہے	بہ حیرت شمع رو رو سر دھنے ہے	بہ حسرت شمع رو رو سر دھنے ہے
۵۳	اور اسمیں فرق کر پا تک نظر آئے	اور اسکی فندق پاٹک نظر آئے	اور اس کی فندق پاٹک نظر آئے
۵۴	بُن شمشاد میں غنچے نہ دیکھے	تنِ شمشاد میں غنچے نہ دیکھے	بُن شمشاد میں غنچے نہ دیکھے
۵۵	جھنک خلخال کی کیا تھی قیامت	جھنک خلخال کی تھی کیا قیامت	خلخال کی تھی کیا قیامت
۵۶	کہ ہووے جس سے برپا قیامت	کہ ہرسو جس سے تھی برپا قیامت	کہ ہرسو جس سے تھی برپا قیامت
۵۷	صفائی اور نزاکت یہاں تلک تھی	نزاکت اور صفائی یہاں تلک تھی	صفائی اور نزاکت یہاں تلک تھی
۵۸	تو بس اتنے لیے وہ غیرتِ حور	اسی اوصاف سے وہ غیرتِ حور	تو بس اتنے لیے وہ غیرتِ حور
۵۹	بحسن و عشوہ تھی معروف مشہور	بہ حسن و عشق تھی معروف مشہور	بہ حسن و عشق تھی معروف ومشہور
۶۰	کہ رکھتا ہے متاعِ حسن وتمکیں	کہ رکھتا ہے متاعِ حسن غمگیں	کہ رکھتا ہے متاعِ حسن وتمکیں
۶۱	کرے سورج مکھی کی وھاں جو کوئی دید	کرے سورج مکھی کو وھاں کی جو دید	کرے سورج مکھی کی وھاں جو کوئی دید
۶۲	کہاں وہ عارضِ خوباں نے پائی	کہاں یہ عارضِ خوباں نے پائی	کہاں یہ عارضِ خوباں نے پائی
۶۳	ہنڈولا اک روش پر یوں نمودار	ہنڈولا ایک تھا پر یوں نمودار	ہنڈولا اک روش پر یوں نمودار
۶۴	کسی جانب کو کیفی بہبہے تھے	کسی جانب کو کیفی لہلہے تھے	کسی جانب کو کیفی بہبہے تھے
۶۵	جہاں میں کوئی ایسا باغ کم ہے	جہاں میں باغ ایسا کوئی کم ہے	جہاں میں باغ ایسا کوئی کم ہے
۶۶	غرض کیا کہیے وصف شعلہ خو کا	۱۱۳	غرض کیا کہیے وصف اس شعلہ خو کا
۶۷	وہ عشاقوں میں تھا یوں نو بہار ایک	وہ عشاقوں میں تھا نوربہار ایک	وہ عشاقوں میں تھا یوں نوبہار ایک
۶۸	وہ چھب تختے نظر آوے جو گا ہے	وہ چھب دھج نظر آوے جو گا ہے	وہ چھب تختی نظر آوے جو گا ہے
۶۹	گلے سے دل لگا لینے کو چاہے	گلے سے دل لگا رکھنے کو چاہے	گلے سے دل لگا رکھنے کو چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۰	مقابل جو ہو اک روز تھا ندکور	مقابل جو ہوا ایک روز تھا مہر	مقابل جو ہوا ایک روز تھا مہر
۷۱	قد موزوں سراپا رشکِ طوبیٰ	قد موزوں سراپا رشکِ خوبی	قد موزوں سراپا رشکِ طوبیٰ
۷۲	کہ افسانہ ہے ایک دلچسپ مشہور	کہ اس خجلت سے روگرداں ہوا مہر	سو اس خجلت سے روگرداں ہوا مہر
۷۳	فلک نے اور ہی اک گل کھلایا	فلک نے اور ہی اک گل پھلایا	فلک نے اور ہی اک گل پھلایا
۷۴	اُدھر تھی نیم بسمل سی یہ غافل	ایدھر تیر نگاہ سے تھی یہ بسمل	اِدھر تیر نگاہ سے تھے یہ بسمل
۷۵	جو بولے گل سے بلبل اور ہنسے گل	جو بولے گل سے بلبل اس سے اور گل	جو بولے گل سے بلبل اس سے اور گل
۷۶	ہمارے ملک میں نہیں رسم ایسی	ہمارے ملک میں ہے رسم ایسی	ہمارے ملک میں نھیں رسم ایسی
۷۷	ہے اس ملکِ وفا میں عشق ہی عشق	ہے اس ملکِ وفا میں عشق یہ فق	ہے اس ملکِ وفا میں عشق ہی عشق
۷۸	یہ کہہ کر گھر چلی وہ رشکِ گلزار	نکلی گھر سے چلی وہ رشکِ گل زار	یہ کہہ کر گھر چلی وہ رشکِ گلزار
۷۹	کبھی تھی وہ بلا گردان اس کے	کبھی تھی وہ بلا گردان اس کے	کبھی تھا وہ بلا گردان اس کے
۸۰	لبوں سے کام کو کرتے تھے حاصل	لبوں سے کام دل کرتے تھے حاصل	لبوں سے کامِ دل کرتے تھے حاصل
۸۱	جدا سسّی سے پنو یوں ہوا ہائے	جدا سسّی سے پنو یوں گیا ہائے	جدا سسّی سے پنو یوں کیا ہائے
۸۲	گیا ہے وہ جدھر اُدھر کو چلیے	گیا ہے وہ جدھر اُدھر ہی چلیے	گیا ہے وہ جدھر اودھر ہی چلیے
۸۳	تو ہے کس کام ایسی زندگانی	تو ہے کس کام کی یہ زندگانی	تو ہے کس کام ایسی زندگانی
۸۴	یہ کہہ کر کے وہ نکلی رشکِ گلزار	یہ کرتی بے کلی وہ رشکِ گلزار	یہ کہہ کر بے کلی وہ رشکِ گلزار
۸۵	اٹھ اس سج سے چلی وہ ماہِ رخسار	اٹھ اس سج سے چلی وہ رشک گلزارِ	اٹھ اس سج سے چلی وہ رشکِ گلزار
۸۶	نہ سوتے بخت میرے گر سحر گاہ	نہ سوتے بخت میرے گر سحر گاہ	۱۱۴؎
۸۷	مجھے بیدار کر وہ شاہ چلتا	مجھے چونکا کے ٹک وہ ماہ چلتا	۱۱۵؎
۸۸	کہ آئی ہائے یہ آفت کدھر سے	کہ آئی ہائے آفت یہ کدھر سے	کہ آئی ہائے آفت یہ کدھر سے
۸۹	۱۱۶؎	وہ کنبا اس کے جب نزدیک آیا	وہ کنبا اس کے جب نزدیک آیا
۹۰	۱۱۷؎	بزیر نخل اس وحشی کو پایا	بہ زیر نخل اس وحشی کو پایا
۹۱	کسی سے سوزِ دل کہنا نہ اپنا	کسی سے سوزِ دل اپنا نہ کہنا	کسی سے سوزِ دل کہنا نہ اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۲	برنگ شمع جلنا اور گھٹنا	بہ رنگِ شمع جلنا اور گھلنا	بہ رنگِ شمع جلنا اور کھپنا
۹۳	کہاں ڈھونڈوں کدھر جاؤں تجھے ہائے	کہاں جاؤں کدھر ڈھونڈوں تجھے ہائے	کہاں جاؤں کدھر ڈھونڈوں تجھے ہائے
۹۴	کہیں پاتی نہیں تیرا پتا میں	کہیں پاتی نہیں تجھ کو بتا میں	کہیں پاتی نہیں تیرا پتا میں
۹۵	کوئی دم کو یہاں آتا ہے پنو	کوئی دن کو یہاں آتا پنوں	کوئی دم کو یہاں آتا ہے پنوں
۹۶	نہ آیا آپ وہ مہرِ دل افروز	نہ آیا اب بھی وہ مہرِ دل افروز	نہ آیا آپ وہ مہرِ دل افروز
۹۷	یونہی لعت دلعل میں کٹ گئے میں روز	کٹیں گے یوہیں لعت ولعل میں روز	یوں ہی لعت ولعل میں کٹ گئے روز
۹۸	بہاتی خونِ دل آنکھوں سے ایسا	بہایا خونِ دل آنکھوں سے ایسا	بہایا خونِ دل آنکھوں سے ایسا
۹۹	کوئی شسدر ساتھا اور کوئی حیران	کوئی شسدر تھا اور کوئی تھا حیران	کوئی ششدر سا تھا اور کوئی حیران
۱۰۰	کہ آیا جو وہیں جوش محبت	کہ آیا جو اوہیں جوش محبت	کہ آیا جو ووہیں جوش محبت
۱۰۱	تجسس کرتے وہ آئے جو اک بار	تجسس کرتے آئے دونوں اک بار	تجسس کرتے دونوں آئے اک بار
۱۰۲	ولی اس کا سمجھتا کچھ نہ تھا جی	ولے اس کا سمجھتا تھا نہ کچھ جی	ولے اس کا سمجھتا کچھ نہ تھا جی
۱۰۳	انھوں نے اس کی جوں جوں دلبری کی	انھوں نے جوں جوں اس کی دلبری کی	انھوں نے اُس کی جوں جوں دلبری کی
۱۰۴	سنے سے جس کے تن میں جان آئی	سنے سے تن میں جس کے جان آئی	سنے سے جس کے تن میں جان آئی
۱۰۵	یہ سچ ہے درد کو کیا جانے بے درد	یہ سچ ہے درد کو کیا جانے یہ بے درد	یہ سچ ہے درد کیا جانیں یہ بے درد
۱۰۶	یہ اپنے غم میں کرتی تھی جو باتیں	یہ اپنے زعم میں کرتی تھی باتیں	یہ اپنے زعم میں کرتی تھی باتیں
۱۰۷	یہی باتیں تھیں اس کا توشۂ راہ	یہی باتیں تھیں اس کی توشۂ راہ	یہی باتیں تھیں اس کا توشۂ راہ
۱۰۸	سرور وعشرتِ شادی میں مصروف	سرور وعشرت و شادی میں مصروف	سرور وعشرت و شادی میں مصروف
۱۰۹	پہنچ اُس شہر میں ایسی خوشی کی	پہنچ اُس شہر میں ایسی خوشی تھی	پہنچ اُس شہر میں ایسی خوشی کی
۱۱۰	نشانی بھیج کر بیٹھی تہہ کام	نشانی بھیج کر بیٹھی یہ ناکام	نشانی بھیج کر بیٹھی یہ ناکام
۱۱۱	یہاں ہے اس کی ہم قوم اک پری زاد	یہاں ہے اس کا ہم قوم اک پری زاد	یہاں ہے اس کی ہم قوم اک پری زاد
۱۱۲	سراپا وہ ہے اک حسنِ خداداد	سراپا ہے وہ اک حسنِ خداداد	سراپا ہے وہ اک حسنِ خداداد
۱۱۳	پھر اپنے سر کو دھر اس کے قدم پر	پر اپنے سر کو دھر اس کے قدم پر	پھر اپنے سر کو دھر اس کے قدم پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۴	کبھی کہتا تھا وہ رو رو کے جو یہ بات	کبھی کہتا تھا وہ رو رو کے یہ بات	کبھی کہتا تھا وہ رو رو کے یہ بات
۱۱۵	نہ دیکھی ٹک بھی تیری راہ ہیہات	نہ دیکھی ٹک بھی میری راہ ہیہات	نہ دیکھی ٹک بھی میری راہ ہیہات
۱۱۶	یہ تڑپا وہ کہ اس کا بھی گیا جی	یہ تڑپا وہ کہ اس کا بھی گیا جی	یہ تڑپا وہ کہ اس کا بھی گیا جی
۱۱۷	فدا کی عاشقوں پہ بھی اس نے جاں	فدا کی عاشقوں پر اس نے بھی جاں	فدا کی عاشقوں پر اس نے بھی جاں
۱۱۸	کیا ان کو برنگ آب گدلا	۱۱۸	۱۱۹
۱۱۹	نہ ہوئی کچھ زن وشوہر میں ملاقات	نہ ہوئی ان شوہر و زن میں ملاقات	نہ ہوئی کچھ ان زن وشوہر میں ملاقات
۱۲۰	گئے حسرت بھرے سب اس جہاں سے	گئے حسرت بھرے سب یہ جہاں سے	گئے حسرت بھرے سب یہ جہاں سے
۱۲۱	سو کر کے یہ نظر کارِ محبت	سو کر کے نظم یہ کارِ محبت	سو کر کے نظم یہ کارِ محبت
۱۲۲	توقع ہے جو کہ اہلِ نظر ہو	توقع ہے کہ جو اہلِ نظر ہو	توقع ہے کہ جو اہلِ نظر ہو
۱۲۳	کہی تاریخ اس کی یہ بصنعت	کہی تاریخ یہ اس کی بصنعت	کہی تاریخ یہ اس کی بصنعت

حواشی:

۱۔ بھگوان داس ہندی، ''سفینۂ ہندی'' مرتبہ: عطا کاکوروی، ادارہ تحقیقات عربی وفارسی، پٹنہ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۹۱۔

۲۔ سیّد الطاف حسین بریلوی، ''حیاتِ حافظ رحمت خان''، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۶۹۔

۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔

۴۔ علامہ شبلی نعمانی، ''شعر العجم''، حصہ چہارم، ص ۱۶۴۔

۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''تاریخ ادب اردو''، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۶۰۔

۶۔ عبدالقادر سروری، ''اردو مثنوی کا ارتقاء''، حیدر آباد دکن ۱۹۴۰ء۔

۷۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں''، سنگ میل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۲ء۔ ص ۱۹۲۔۱۹۱۔

۸۔ ان میں سے زیادہ تر اہم روایتیں سندر داس آرام (۱۱۷۱ھ) حافظ برخور درد (۱۱۷۶ھ) سدا رام اور ہاشم (المتوفی ۱۸۴۰ء) کی ہیں۔ سندھی کہانی میں جب چرواہے نے ایک خوب صورت عورت کو تنہا دیکھا تو اس کی نیت خراب ہوئی اور اس کے نزدیک جانے لگا لیکن سسی نے اللہ تعالیٰ سے اپنی موت کی دعا کی جو قبول ہوئی اور چرواہا احساس ندامت سے سسی کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ رہا اور پھر پنوں کو اس نے صورت حال سے آگاہ کیا اور پنوں کی دعا پر سسی کی قبر شق ہوئی اور وہ بھی اس میں سما گیا۔

۹۔ اشپرانگر نے ''دستورِ عشق'' کے مصنف کا نام لالہ سنت پرکاش لکھا ہے جو درست نہیں۔ اشپرانگر نے طبع کلکتہ ۱۸۱۲ء کا ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ڈاکٹر محمد باقر کا بیان ہے کہ مصنف کا صحیح نام جوت پرکاش ہے اور مثنوی کا سن تصنیف ۱۱۳۶ھ ہے

۱۰۔ میر معصوم بھکری نے ''حسن وناز'' کے نام سے یہ قصہ نظم کیا۔ قاضی مرتضیٰ سورٹھی نے جو موضع کتیانہ، کاٹھیاواڑ سے تعلق رکھتے تھے یہ قصہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ۱۱۰۳۔۱۱۶۱) نظم کیا۔ ٹھٹھہ کے ایک شاعر رضائی نے اس مثنوی کو زیبا و نگار'' کے نام سے نظم کیا مولانا میر محمد لودھی نے جو ۱۱۶۰ میں سندھ آئے تھے (۱۱۸۰/۱۷۶۶) میں اس قصے کو 'مہر و ماہ' کے نام سے نظم کیا۔

۱۱۔ ہمارے پیش نظر اس مخطوطے میں ۲۱ عنوانات پیش کیے گئے ہیں جب کہ مطبوعہ مثنوی میں ۱۷ عنوانات ہیں۔ کتب خانہ خاص کراچی میں موجود اس مثنوی کے سرورق پر ''درست السلطنت طبع شد'' تحریر ہے اور یہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اس مثنوی کے اشعار کی تعداد ساڑھے چھ سو لکھی ہے (ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو کی منظوم داستانیں''، اشاعت اوّل، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۲۰۶۔) جب کہ ہمارے پیش نظر نسخے میں اشعار کی تعداد ۵۹۲ ہے۔ مثنوی کے قلمی نسخے اور مطبوعہ نسخے میں عنوانات کی ترتیب اور الفاظ میں کہیں کہیں فرق ہے۔ قلمی نسخہ قومی عجائب گھر کراچی میں موجود ہے جس کی فوٹو کاپی ہم نے حاصل کی ہے۔

۱۲۔ ڈاکٹر خان رشید، ''اردو کی تین مثنویاں''، طبع دوم کراچی اردو اکیڈمی سندھ، ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰ء، ص ۱۹۔

۱۳۔ اس واقعے سے متعلق صفتی کی مثنوی ''بے نظیر'' ہے۔ جس کا دوسرا شعر بھی اس طرح کا ہے۔

طبیعت کو بنا چالاک گوہر　　رکھیا امید تج سے عبد اصغر

۱۴۔ ڈاکٹر خان رشید، ''اردو کی تین مثنویاں''، طبع دوم، کراچی، اردو اکیڈمی۔ ص ۲۱۔

۱۵۔ پروفیسر مجنوں گورکھپوری، '' تنقیدی حاشیے''، مثنوی اسرار محبت، ص ۲۰۶۔

۱۶۔ مصنف ملک الشعرا قاضی محمد صادق خاں اختر۔

۱۷۔ پروفیسر مجنوں گورکھپوری، ''تنقیدی حاشیے''، مثنوی اسرار محبت، ص ۲۰۸۔

۱۸۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوری نے میاں غلام شاہ کلہوڑا کے عہد حکومت میں ۱۱۸۰ھ میں تحفۃ الکرام کی تصنیف کا آغاز کیا اور ۱۱۸۱ھ میں یہ کتاب مکمل کر لی تھی لیکن اس میں اضافہ و ترمیم کا کام مصنف کی سن وفات ۱۲۰۳ھ تک جاری رہا۔

۱۹۔ قاضی مرتضیٰ سورٹھی کی مثنوی کا نام 'شہید ناز' تھا۔

۲۰۔ قاضی فضل حق، ''سسی پنوں''، رہنمائے تعلیم، جوبلی نمبر ۱۹۳۱ء، ص ۶۵۴۔

۲۱۔ شہباز کی عمر اُس وقت ۴۰ سال کی تھی اور اُس کی پیدائش کا سال، ۱۲۱۱ھ ہوتا ہے۔

۲۲۔ قاضی فضل حق: ''سسی پنوں''، رہنمائے تعلیم، جوبلی نمبر ۱۹۳۱ء، ص ۶۵۵۔

۲۳۔ زیبا و نگار کا ماخذ سید علی کی مثنوی تھی جو سندھی زبان سے فارسی نثر میں ترجمہ کی گئی تھی۔ رضائی نام کے شاعر ایرانی تھے۔ چوں کہ سسی پنوں کے اجنبی نام ایرانی کانوں کے لیے نامانوس تھے لہٰذا ''زیبا و نگار'' اس کا نام رکھا یہ کتاب ۱۰۵۳ھ میں تحریر ہوئی۔

۲۴۔ ان بزرگ کو شمع عالم اور دوسرے نسخے میں شیخ عالم کے لقب سے ملقب کرتا ہے۔

۲۵۔ قاضی فضل حق کی تحقیق کے مطابق ان کا نام برخوردار تھا اور ذات کے رانجھا جاٹ تھے ان کا وطن مالوف موضع سلمانی تھا جو تخت ہزارہ سے مشرق کی طرف واقع ہے ابتدائی تعلیم ہزارہ پھر موضع جہاں آباد اور پھر سیالکوٹ میں حاصل کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، ''تحفۃ الکرام''، مترجم اختر رضوی، تصحیح وحواشی، مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اشاعت اوّل، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۹ء، کراچی۔

۲۷۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ دلورائے کی حکومت پانچویں صدی ہجری مطابق ۱۱صدی عیسوی میں سندھ میں قائم تھی۔

۲۸۔ شیخ ایاز: رسالہ شاہ عبداللطیف، اردو ترجمہ میں ''مندر'' لکھا ہوا ہے۔

۲۹۔ ''شاہ جو رسالو'' کے اردو ترجمے کے مطابق اس دھوبی کا نام محمد تھا اسے لالہ بھائی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سیوہن سے بھنبھور آیا۔

۳۰۔ حسین شاہ عنایت شاہ کریم، شاہ عبداللطیف، خلیفہ نبی بخش اور دیگر شعرا نے یہ نام ''سسئی'' لکھا ہے کیوں کہ ''سسی'' سندھی میں بھیڑ کو کہتے ہیں۔

۳۱۔ کیچ کے حاکم یعنی پنوں کے باپ کا نام آری جام تھا۔

۳۲۔ شیخ ایاز کے مطابق پنوں کے ساتھ اس کا بھائی چنڑ بھی آیا تھا جو پنوں کی شادی کے بعد واپس چلا گیا۔

۳۳۔ بھنبھور شہر سھجان نام کی ایک سنارن تھی جو سسی کی سہیلی تھی۔ وہ اس کی رقیب بن گئی۔

۳۴۔ ایک روایت کے مطابق پنوار سے سسی نے راستہ پوچھا اس نے خوبصورت عورت دیکھ کر اپنی نیت بدل لی لیکن سسی نے کہا، میں تھکی ہوئی ہوں پہلے تو میرے کھانے پینے کا بندوبست کر اور اچھا سلوک کرتا کہ میں پنوں کو بھول جاؤں، پھر وہ کھانے پینے کا سامان لینے چلا گیا اس دوران سسی نے خدا کے حضور دعا کی اور وہ ایک چٹان میں سما گئی۔

۳۵۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، ''تحفۃ الکرام''، (تصحیح وحواشی، مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ڈاکٹر مترجم، اختر رضوی) سندھ ادبی بورڈ، کراچی، ۱۹۵۹ء، ص۸۲۔

۳۶۔ شیخ ایاز، مترجم ''رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی'' کا اشاعت دوم حیدرآباد انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی، ۱۹۷۷ء، ص۲۴۰۔

۳۷۔ تمت تمام شد مثنوی نواب محبت خاں ولد حافظ رحمت خاں در قصہ سسی پنوں التاریخ سوئم شہر شوال بروز چہار شنبہ بوقت چاشت بدستخط حقیر پر تقصیر لالہ مٹکا رام ولد ڈالچند، قوم ساکن اسالت پور چاڑی پرگنہ نزدے صوبہ دار الخلافت شاہجہاں آباد ۱۲۴۳ ہجری برائے خاطر داشت اخوند زادہ خود قلمی شد فقط۔

قاریائے من مکن چندیں عتاب	کہ خطای رفتہ باشد در کتاب
آں خطای رفتہ را تصحیح کن	از کرم واللہ عالم بالصواب

۳۸۔ قومی عجائب گھر کراچی سے ملنے والے قلمی نسخہ میں ۵۹۲ اشعار ہیں اور یہ نسخہ مولانا ڈاکٹر عبدالحق سے حاصل کیا گیا ہے چوں کہ مولانا عبدالحق لائبریری کی مہر ثبت ہے۔

۳۹۔ قلمی نسخہ ''اسرارِ محبت''، رام پور مجلد ہے جس میں ''اسرار محبت'' کے علاوہ دیگر سات مثنویاں، دریائے عشق، مثنوی محبت، بکٹ کہانی، مثنوی لطف، مثنوی انور، قصہ سوداگر بچہ اور بارہ ماسہ شامل ہیں۔ اب یہ قلمی نسخہ قومی عجائب گھر کراچی میں موجود ہے۔

۴۰۔ پروفیسر مجنوں گورکھپوری، ''تنقیدی حاشیے'' 'مثنوی اسرارِ محبت، ص۲۳۳۔

۴۱۔ ایضاً، ص۲۳۴۔

۴۲۔ طبع شدہ نسخہ لکھنؤ میں ''حمد باری تعالیٰ'' کا عنوان یعنی آغاز میں بسم اللہ کے بعد کوئی پہلا عنوان قائم نہیں کیا گیا ہے جب کہ قلمی نسخہ کراچی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''درحمد باری تعالیٰ'' کے عنوان سے ۱۲۱ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

۴۳ طبع شدہ نسخہ لکھنؤ مملوکہ کتب خانہ خاص [illegible] میں اس شعر سے پہلے یہ عنوان قائم کیا گیا ہے ''در بیان جذبہ محبت گوید''۔

۴۴ اس عنوان سے ۱۱۹ اشعار قلمی نسخہ میں موجود ہیں لیکن طبع شدہ نسخہ میں ۳ اشعار نعت میں اور ان کے بعد ایک اور عنوان قائم کیا گیا ہے وہ عنوان: ''درنعت حضرت سید المرسلین'' ہے۔

۴۵ یہ عنوان طبع شدہ نسخہ میں قائم کیا گیا ہے: ''درمنقبت امیر المؤمنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام''۔

۴۶ طبع شدہ نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے:

کہ وہ مشکل کشا ہے قابل عشق / ہوئی حل اسے مشکل عشق

۴۷ قلمی نسخہ میں تاسیر لکھا ہے اور اس عنوان کے تحت ۲۲ اشعار ہیں لیکن طبع شدہ نسخہ میں ۱۳ اشعار کے بعد ''درتاثیر محبت'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔

۴۸ ملک جائسی کی پدماوت کو بھاشا سے اردو میں کئی شعرا نے منتقل کیا تھا، نواب محبت خاں کے شاگرد ضیاء الدین عبرت نے بھی اسے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے اُنھوں نے بھی ''سرکش'' اور آتش کا قافیہ باندھا ہے۔

رتن کے عشق کا شعلہ تھا سرکش / پدم کے بھی لگا دی دل کو آتش

۴۹ قلمی نسخے میں مثنوی کی وجہ تصنیف اس عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے۔

۵۰ مطبوعہ نسخے میں ''اسرار محبت'' کی وجہ تخلیق اسی عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے۔

۵۱ Mr. John son

۵۲ یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ اس سے قبل اس قصے کو اردو میں نظم نہیں کیا گیا تھا۔

۵۳ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو کی منظوم داستانیں''، طبع اوّل، کراچی، انجمن ترقی اردو ۱۹۷۱ء، ص ۱۰۸۔

۵۴ مطبوعہ نسخے میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے جبکہ قلمی نسخہ میں یہ عنوان نہیں ہے البتہ جنگ سیال کے بارے میں اشعار موجود ہیں۔

۵۵ ''اسرار محبت'' میں سسی کو بلاد پنجاب سے متعلق بتایا گیا ہے جبکہ سندھی پلاٹ میں اس طرف اشارہ ضرور ہے کہ سسی کسی دوسرے مقام سے ایک صندوق میں بہتی ہوئی سندھ کے علاقے بھنبھور پہنچی تھی۔

۵۶ قلمی نسخہ کا عنوان جس میں ۷۶ اشعار ہیں سسی کے حسن کی تعریف اور سراپا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۵۷ مطبوعہ نسخہ کا عنوان۔

۵۸ مطبوعہ نسخے میں ''ھے'' تحریر ہے۔

۵۹ سندھی داستان میں بھابنر نہر کے کنارے بسنے والے ایک برہمن کی بیٹی تھی جس کو اس کے باپ نے اس لیے ایک صندوق میں بند کر کے نہر میں بہا دیا تھا کہ نجومیوں کے مطابق جب یہ جوان ہوگی تو مسلماں سے شادی کرے گی۔

۶۰ مطبوعہ یا قلمی نسخہ میں سسّی کو جھنگ سیال کا ظاہر کیا گیا ہے اور دوسری جانب پنوں بلوچوں کے قافلے کے ساتھ آنے والا نوجوان تھا۔

۶۱ مغربی پنجاب میں دریائے چناب کے کنارے ''جھنگ'' ایک شہر اب بھی موجود ہے اسے ''جھنگ رسالاں'' کے نام سے پکارا جاتا تھا یہاں جاٹوں کا وہ قبیلہ آباد تھا جو سیال کہلاتا تھا ہیر ''سیال'' قبیلے سے تعلق رکھتی تھی ہیر کی سمادھی ابھی تک جھنگ میں موجود ہے۔

۶۲ قلمی نسخہ میں یہ عنوان قائم نہیں کیا گیا ہے بلکہ آغاز داستان در تعریف حسن سسی میگوید کے عنوان سے سسی کا حسن اور سراپا پیش کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۳۔ تھام۔ پکڑ

۶۴۔ قلمی نسخہ میں یہی عنوان ہے۔

۶۵۔ مطبوعہ نسخہ میں یہی عنوان قائم کیا گیا ہے۔

۶۶۔ مطبوعہ نسخہ میں غمگین تحریر ہے جو درست نہیں معلوم ہوتا۔

۶۷۔ مطبوعہ نسخہ میں یہی عنوان قائم کیا گیا ہے۔

۶۸۔ قلمی نسخہ میں یہ عنوان ہے جبکہ مطبوعہ نسخہ میں ''در بیان تعریف باغ مینویسد' کے عنوان میں ہی پنوں کا سراپا اور اس کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

۶۹۔ تیغ زنی سے مراد ہے۔

۷۰۔ نسخہ مطبوعہ میں یہ عنوان قائم نہیں کیا گیا ہے بلکہ ''در تعریف باغ'' میں یہ اشعار آجاتے ہیں۔

۷۱۔ ''نہیں'' پڑھا جائے گا تو شعر کا وزن بڑھ جائے گا۔

۷۲۔ سندھی اشعار میں جو کہ مختلف مثنوی نگاروں کے تخلیق کردہ ہیں۔ یہ بات نہیں ملتی بلکہ سندھی پلاٹ میں پنوں اور سسی کی شادی جلد ہو جاتی ہے لیکن پنوں کی آزمائش کے بعد

۷۳۔ ''اسرارِ محبت'' میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ قافلے والے پنوں کو سوتے ہوئے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں جب کہ مثنوی کے سندھی پلاٹ میں یہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ سسی کی شادی پنوں سے ہو جاتی ہے اور وہ یہیں یعنی بھنبھور میں رہنے لگتا ہے ادھر بلوچستان (کیچ) میں پنوں کا باپ آری جام جو کہ پنوں سے بہت محبت کرتا تھا بے چین ہو جاتا ہے اور پنوں کے دوسرے چند بھائیوں کو بھیجتا ہے اور وہ بے ہوشی کے عالم میں شراب پلا کر اونٹوں پر بٹھا کر (کیچ) لے آتے ہیں۔

۷۴۔ مطبوعہ نسخے میں یہ عنوان نہیں ہے ''در تعریف باغ'' ہی میں یہ اشعار موجود ہیں۔

۷۵۔ سندھی داستان میں وہ درختوں سے سوال جواب کرتی چلی جاتی تھی۔

۷۶۔ مطبوعہ نسخہ میں ''در بیان غزل گوید'' کے بعد سسی کا کیچ کی جانب سفر طے کرنے کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۷۷۔ سندھی پلاٹ میں سسی کو اس کے عزیز و اقارب واپس نہیں لاتے ہیں اور وہ پہلی بار جب پنوں کی تلاش میں نکلتی ہے تو واپس نہیں لوٹتی۔

۷۸۔ دستِ افسوس ملنا یا کفِ افسوس ملنا۔

۷۹۔ مردنی چھا جانا

۸۰۔ یہ عنوان قلمی نسخہ میں نہیں ہے مثنوی کے عنوان میں غزل کے بعد اس طرح کے اشعار موجود ہیں۔

۸۱۔ غیر مطبوعہ نسخہ میں یہ عنوان ہے۔

۸۲۔ مطبوعہ نسخہ میں یہ عنوان اس طرح ہے ''لیکن اس میں ''شخصے غریب'' تحریر ہے جبکہ شخصے سیاح درست معلوم ہوتا ہے۔

۸۳۔ محبت پنوں کو سندھ کا باشندہ بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ مکران سے تعلق رکھتا تھا۔

۸۴۔ ''وہ'' کے ساتھ ''کو'' کا قافیہ درست نہیں لیکن ہم عصر شعرا نے اختیار کیا ہے۔

۸۵۔ محبت نے مثنوی کی بنیاد سنے سنائے قصے پر قائم کی۔ اُن کے سامنے پنجاب سے متعلق داستان تھی، اُنھوں نے تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنوں کا تعلق سندھ سے تھا یا مکران سے۔

۸۶۔ قلمی نسخہ کے مطابق عنوان ہے۔

۸۷۔ مطبوعہ نسخہ کے مطابق عنوان ہے۔

۸۸۔ قلمی نسخہ کا عنوان ہے۔

۸۹۔ محبت خان نے مثنوی کی بنیاد سنے سنائے قصے پر قائم کی ہے۔

۹۰۔ قلمی نسخہ کا عنوان ہے۔

۹۱۔ مطبوعہ نسخہ کا عنوان

۹۲۔ پنوں دوسری شادی کر رہا تھا لیکن دوسری جانب اس کا افسوس کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔

۹۳۔ مثلاً ''تحفۃ الکرام'' کے مطابق سسّی پنوں کی تلاش میں بھنبھور سے نکلتی ہے اور پنوں ''کیچ'' سے نکل کھڑا ہوتا ہے اسے راستے میں سسّی کی قبر ملتی ہے اس کے دوپٹے کا پلو باہر نکلا ہوا دیکھ کر وہ سسّی کو پہچانتا ہے اور اس زمین میں سما جاتا ہے۔

۹۴۔ خدائی لکھا ہے۔

۹۵۔ یہ قصہ نظم کرنے کے لیے مسٹر جانسن نے محبت خان سے کہا تھا لہٰذا انھوں نے اس شعر میں یہی ظاہر کیا ہے کہ محبت خان نے اسے اپنا ہی کام سمجھ کر انجام دیا۔

۹۶۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، '' العلم'' کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۵۶ء ص ن د۔

۹۷۔ پرا ے جی نیازی پروفیسر ''تنقیدی رس'' اشاعت اوّل، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۵ء، ص ۸۱۔

۹۸۔ مثنوی اسرارِ محبت: مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۸۔

۹۹۔ قلمی نسخہ: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۴۔

۱۰۰۔ نسخۂ عقیل: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۵۔

۱۰۱۔ نسخۂ حیدر آباد: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۵۔

۱۰۲۔ نسخۂ حسرت موہانی: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۵۔

۱۰۳۔ نسخۂ لاہور: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۶۔

۱۰۴۔ نسخۂ کلکتہ: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۷۔

۱۰۵۔ نسخۂ کراچی: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، ص ۲۸۔

۱۰۶۔ مثنوی

۱۰۷۔ شوال

۱۰۸۔ نسخۂ مطبوعہ: مثنوی اسرارِ محبت، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد۔

۱۰۹۔ قلمی نسخے میں اور ڈاکٹر نسیم کے مدون نسخے، میں بالترتیب ''طوتیا'' اور ''توتیا'' لکھا ہے جو غلط ہیں۔ ''طوطیا'' درست ہے۔

۱۱۰۔ قلمی اور ایڈٹ شدہ نسخے میں درست ہے جب کہ مطبوعہ نسخے میں ''سہی'' درست ہے

۱۱۱۔ ولے یا دلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۲۔ ہوئی ہو یا ہوئی تھی ہو سکتا ہے، موئی تھی نہیں

۱۱۳۔ مطبوعہ نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

۱۱۴۔ مطبوعہ نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

۱۱۵۔ ڈاکٹر نسیم کے مرتب کردہ نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

۱۱۶۔ ڈاکٹر نسیم کے مرتب کردہ نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

۱۱۷۔ یہ شعر قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

۱۱۸۔ یہ شعر قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

۱۱۹۔ مطبوعہ نسخے اور ڈاکٹر نسیم کے مرتب کردہ نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ ایاز، شیخ: مترجم: ۱۹۷۷ء، ''رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی''، طبع دوم، انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی، حیدرآباد۔

۲۔ بریلوی، الطاف حسین، سید: ۱۹۸۰ء، ''حیاتِ حافظ رحمت خان''، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔

۳۔ ٹھٹھوی، قانع، میر علی شیر: ۱۹۵۹ء، ''تحفۃ الکرام''، مترجم اختر رضوی، تصحیح وحواشی، مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، طبع اوّل، سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔

۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۱۹۷۵ء، ''تاریخ ادب اردو''، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۵۔ خان رشید، ڈاکٹر: ۱۹۷۰ء، ''اردو کی تین مثنویاں''، بہ طبع دوم کراچی اردو اکیڈمی سندھ۔

۶۔ سروری، عبدالقادر: ۱۹۴۰ء، ''اردو مثنوی کا ارتقاء''، ناشر کا نام ندارد، حیدرآباد دکن۔

۷۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۱۹۷۱ء، ''اردو کی منظوم داستانیں''، طبع اوّل، انجمن ترقی اردو کراچی۔

۸۔ فضل حق، قاضی: ۱۹۳۱ء، ''سسی پنوں''، رہنمائے تعلیم، جوبلی نمبر، لاہور۔

۹۔ مجنوں گورکھپوری، پروفیسر: ۱۹۴۵ء، '' تنقیدی حاشیے''، ادارہ اشاعتِ اُردو، حیدرآباد دکن۔

۱۰۔ محبت خان، مثنوی ''اسرارِ محبت'': ۱۹۹۶ء، مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد، انجمن ترقی اردو، ہند، نئی دہلی۔

۱۱۔ محبت خان، مثنوی ''اسرارِ محبت'': سن ندارد، دربیت السلطنت لکھنؤ۔

۱۲۔ نیازی، اے۔جی، پروفیسر: ۱۹۶۵ء، ''تنقیدی رس''، طبع اوّل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور۔

۱۳۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر: ۲۰۰۳ء، ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں''، سنگ میل پبلشرز، لاہور۔

۱۴۔ نعمانی، شبلی، علامہ: ۱۹۸۸ء، ''شعر العجم''، حصہ چہارم، معارف پریس اعظم گڑھ، انڈیا۔

۱۵۔ ہندی، داس بھگوان: ۱۹۵۷ء، ''سفینۂ ہندی'' مرتبہ: عطا کاکوروی، ادارہ تحقیقات عربی وفارسی، پٹنہ۔

رسائل:

۱۔ ماہ نامہ ''العلم''، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۵۶ء، کراچی۔

۲۔ ماہ نامہ ''رہنمائے تعلیم'' جوبلی نمبر، ۱۹۳۱ء، لاہور۔

© rasailojaraid.com